کلامِ نرم و نازک

مائل خیر آبادیؒ

علامہؒ اقبالؒ کے نام

جن کے ایک شعر نے میرے قلم سے یہ چار مجموعے لکھوائے۔

- پھول کی پتّی
- ہیرے کا جگر
- مردِ ناداں
- کلامِ نرم و نازک

علامہؒ کا شعر ہے

پھول[1] کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے[2] کا جگر
مردِ[3] ناداں پر کلامِ نرم[4] و نازک بے اثر

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

دیباچہ

"کلامِ نرم و نازک" دراصل علاّمہ اقبالؒ کے ایک مشہور شعر سے ماخوذ ہے۔ شعر یہ ہے:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اس شعر کے مفہوم کو ذہن میں رکھ کر میں نے سب سے پہلے "ہیرے کا جگر" ایک ناول لکھا۔ یہ ناول بہت پسند کیا گیا۔ ادبی دوستوں نے تقاضا شروع کر دیا کہ جب "ہیرے کا جگر" لکھا ہے تو "پھول کی پتّی"، "مردِ ناداں" اور "کلامِ نرم و نازک" کے نام سے بھی کچھ آنا چاہیے۔ میرے دل نے بھی یہی تقاضا کیا چنانچہ "پھول کی پتّی" اور "مردِ ناداں" دو اور مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ "مردِ ناداں" نے کچھ ایسا بلند معیار قائم کیا کہ پھر "کلامِ نرم و نازک" لکھنے کی ہمّت نہیں ہوتی تھی۔ اِدھر دوستوں کے تقاضے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اِن تقاضوں کی تکمیل کے لیے "کلامِ نرم و نازک" کی داغ بیل ڈالی تو خدا

جانے کیسے وہ " طعامِ نرم و نازک " بن گیا۔ طعامِ نرم و نازک کو میں نے "حجاب" میں شائع کیا تو ادب شناس زیرِ لب مسکرا دیئے۔ مجھ سے کہا۔ "حضرت بحرِ رجز کو چھوڑ کے بحرِ رمل چلے" ؟ اس میں شک نہیں کہ میں لکھنا کچھ چاہتا تھا لیکن لکھ کچھ گیا۔ لیکن اس سے فائدہ یہ ہوا کہ پھر کلامِ نرم و نازک کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔ الحمدللہ کہ یہ مجموعہ ایک سال کے اندر مکمل ہو گیا۔ میں نے اس میں "طعامِ نرم و نازک" بھی شامل کر دیا کہ یہ تفریح میرے مخصوص دوستوں تک محدود تھی۔ اس سے عام و خاص سب ہی محظوظ ہوں۔

علامہ اقبالؒ کے شعر کو سامنے رکھ کر ذہن میں جو کچھ تھا میں نے مرتب کر کے پیش کر دیا۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا؟ یہ پڑھنے والے خود فیصلہ کریں گے۔ میں اپنے کو کامیاب اس وقت سمجھوں گا جب اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائے اور وہ مجھے آخرت میں انعام عطا فرمائے۔ کتاب کے پڑھنے والوں سے اسی کے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ اور بس۔

مائل خیر آبادی

سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے

میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ دُلاری سے حال احوال سن کر میں نے پان والے کا پتہ پوچھا۔ پھر سیدھا نکڑ والی پان کی دکان پر پہنچا۔ پان والے سے کہا:

وہ میری لڑکی تھی جس سے آج صبح اسی جگہ غنڈوں نے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ سن لو۔ میرا نام جودھی ہے۔ ان گنڈوں سے تو بعد میں نبٹوں گا اس وقت تو مجھے اُن میاں صاحب کا پتہ بتادو جن سے ان گنڈوں نے کہا تھا "تم کون ہو اس کے؟"

اور انھوں نے جواب دیا تھا۔ "میں اس کا باپ ہوں" پھر وہ دلاری کے ساتھ منڈی تک گئے تھے۔

پان والے نے نظر بھر کر مجھے دیکھا۔ پھر بتایا۔ ادھر اس گلی سے سیدھے جاؤ، املی کے پیڑ کے نیچے ان کا مکان ہے۔

"اور ان کا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ اس نے کہا۔

"نام تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ سب ان کو میاں جی کہتے ہیں۔"

میں گلی میں گھس گیا۔ اِملی کے پیڑ کے نیچے پہنچا۔ املی کے پیڑ کے

نیچے ایک چارپائی پر ایک صاحب بیٹھے تھے۔ اُجلا پائجامہ، اُجلا کُرتا۔ اجلی داڑھی والے۔ دل نے کہا۔ یہی ہیں میاں جی۔ میں نے پاس جاکر سلام کیا" میاں سلام"

"بھیا سلام! آؤ بیٹھو!" میاں جی نے اپنے پاس بٹھالیا۔

"بھائی! کون ہو اور کیسے آئے؟" میاں جی نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا۔

"میرا نام جودھی ہے۔ میں چاند دوراہہ میں رہتا ہوں تیسرے دن گاؤں سے سبزی لاتا ہوں۔ آڑھت پر دے آتا ہوں۔ میری لڑکی دلاری بھی آتی ہے وہی دلاری جس کی عزّت کی خاطر کل آپ غنڈوں سے بھڑ گئے تھے۔

"بھائی! میرا فرض تھا کہ میں اُسے غنڈوں سے بچاتا۔"

"آپ پر یہ فرض کیسے؟ ۔ اور بھی تو بہت سے لوگ وہاں تھے کیا ان پر فرض نہ تھا؟"

سب پر فرض تھا۔ لیکن شاید وہ غنڈوں سے دہتے تھے۔ یا پھر انھیں معلوم نہ تھا؟"

"کیا معلوم نہیں تھا؟"

بھائی جودھی! تم نے حضرت محمّد صلّے اللہ علیہ وسلم کا نام سنا ہوگا ہم ان کو اللہ کا رسول مانتے ہیں اور ان کی ہر بات کو حق سمجھتے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں تاکید فرمائی ہے کہ:

" جب تم کہیں ظلم اور زیادتی ہوتے دیکھو تو ہاتھ سے روک دو
مطلب یہ ہے کہ اگر اپنے اندر ظلم روکنے کی طاقت ہو تو طاقت
سے روک دو۔ اگر ہاتھ سے نہ روک سکو تو زبان سے روک دو۔
زبان سے روک دینے کا مطلب یہ ہے کہ نصیحت کرو کہ لوگ
ظلم اور زیادتی نہ کریں۔ اور اگر زبان سے بھی روکنے کی ہمّت
نہ ہو تو اس ظلم اور زیادتی کو دل میں برا سمجھو۔ جودھی بھائی
اللہ کے رسول صلّے اللہ علیہ وسلم نے اس تیسری بات کو ایمان
کا کمزور درجہ بتایا ہے۔"

میں ایمان، حق، رسول جیسے الفاظ کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا، لیکن یہ بات
سمجھ گیا کہ آدمی اگر طاقت والا ہو تو اسے غنڈوں سے لڑجانا چاہیئے
میں نے کہا۔

" میاں جی! میرا نام جودھی ہے۔ آپ میرا ڈیل ڈول دیکھ رہے ہیں۔
ان غنڈوں میں دو تین کو تو میں خالی ہاتھوں پیس کر رکھ دوں گا، ہاتھ
میں لاٹھی ہو تو ...."

سنو سنو جودھی! تو کیا تم ان سے لٹھ بازی کروگے۔"

" میاں جی! کل صبح سب دیکھیں گے پان والے کی دوکان کے پاس۔"

" مگر میں ایسی تدبیر بتاؤں کہ سانپ مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

" وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔ میاں جی نے کہا۔

" آؤ میرے ساتھ!"

اور یہ کہہ کر میاں جی اٹھے ۔ میں بھی اٹھا اور ان کے ساتھ ہولیا۔ میانجی چلتے چلتے پٹھانی ٹولہ پہنچے ۔ ایک مکان کے پاس ٹھہر کر دروازے کی کنڈی بجائی ۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی گھر سے نکلا ۔ ہم کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میاں جی نے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ پھر جلدی سے چارپائی نکال لایا۔ " بیٹھئے میاں جی! کیسے تکلیف فرمائی ؟"

" خان بھائی ! میں کل سے تکلیف میں ہوں ۔" میاں جی نے کہا۔

" فرمائیے ۔"

" کل کچھ نادان لڑکوں نے میرے اس بھائی کی بیٹی کو چھیڑ دیا تھا مجھے اسی وقت سے بڑی تکلیف ہے ۔"

" ہوں ۔" خاں صاحب نے "ہوں" ذرا بڑھا کر کہا۔ تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ آپ اُن سے کہئے کہ اپنی بیٹی کو گھر میں روکیں ورنہ میں کسی کو روکنے کا ٹھیکیدار تو ہوں نہیں ۔"

" خان بھائی ! تم پر یہ ٹھیکیداری تمہارے خدا کی طرف سے واجب ہے ۔"

" واہ میاں جی ! میں کوئی مجسٹریٹ ہوں ۔"

" ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اپنے خدا کے بندے تو ہو ۔"

" اچھا ہوں تو ؟"

" تو دیکھو، تمہارے خدا نے جو یہ جسم تم کو دیا۔ تم کو اتنی طاقت

دی۔ تمہارا دباؤ سب مانتے ہیں تو کیا خدا کی طرف سے آپ تمہاری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ تم اللہ کا حق ادا کرو۔"

"میں اللہ کا کیا حق ادا کروں۔"

"یہ کہ جو لوگ تمہارا دباؤ مانتے ہیں ان کو خدا سے ڈراؤ اور خدا کی زمین پر زیادتی کرنے سے روک دو۔"

میں نے دیکھا کہ خاں صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ میاں جی پھر کہنے لگے۔ خان! یاد رکھو جس خدا نے تم کو یہ جسم، یہ زور اور طاقت اور یہ دباؤ دیا ہے۔ قیامت کے روز اس کا رتی رتی حساب لے لے گا اب تم جانو اور تمہارا خدا جانے۔ میں اتنا ہی کر سکتا تھا۔ اب میں جاتا ہوں۔ میں تمہارے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

میاں جی یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی اٹھ کر چل دیا۔ ہم کچھ ہی دور چلے تھے کہ نہ جانے کیوں میں نے مڑ کر دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ خان منہ لٹکائے چلا آرہا تھا۔ میں نے میاں جی سے کہا وہ رک گئے۔ خان پاس آیا۔ بولا۔ "معاف کیجئے میاں جی! میں نے آپ کو چائے کے لئے بھی نہ پوچھا۔ آج پہلا دن تھا کہ ایک بھلا آدمی میرے گھر آیا اور میں نے اسے گویا دھتکار دیا۔ میری درخواست ہے کہ آپ میرے گھر واپس چلیں۔

میاں جی پلٹ پڑے۔ خان نے بیٹھک کھولی۔ ہمیں بٹھایا۔ چائے پلائی۔ اس کے بعد بولا۔

"میں آج شام کو آپ کے پاس آؤں گا۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے لیکن اپنے اس بھائی سے ملو۔ دلاری اس کی بیٹی ہے۔ دلاری جیسے اس کی بیٹی ویسے تمہاری۔"

خان نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں اب یہ سوچ رہا تھا کہ میاں جی کی باتوں میں جادو ہے یا یہ ان کی کرامت۔ ایک نظر میں پتھر پگھل گیا۔ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔ میں نے دل میں حساب لگایا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے غنڈوں کو معاف کر دیا ہو۔

شیطان کی ہار

عقیل فقرے چُست کرنے میں بڑا استاد تھا۔ بڑے میاں کو دیکھتے ہی بولا۔ " دیکھو تو ! سر پر پٹے بال اور نیچے داڑھی چلو بیلنس برابر ہو گیا۔

ہم نے مڑ کر دیکھا۔ بڑے میاں پاس آ گئے تھے۔ ہم اپنی ہنسی نہ روک سکے۔ اور ایک دم ٹھٹھا مار کر ہنسنے لگے۔ انھوں نے ہمیں ہنستے دیکھا تو پہلے سلام کیا۔ پھر بولے۔ " اللہ تم سب کو ہنستا اور خوش و خرم رکھے۔" انھوں نے دوکان سے دودھ لیا اور ایک ماچس، اور چلے گئے۔ چند قدم گئے ہی تھے کہ عقیل نے کہا۔ " لُولُو " اور ہم سب پھر ایک ساتھ ہنس پڑے۔

وہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد دوکان پر دودھ لینے اور جس سودے کی ضرورت ہوتی لے کر چلے جایا کرتے تھے۔ دوکان پر ہم چند بے فکرے اکثر بیٹھا کرتے تھے۔ دوکان دار ہماری عمروں کا نوجوان ہی تھا۔ لیکن وہ بڑا سمجھدار تھا۔ اگر سمجھدار نہ کہئے تو پھر یہ کہئے کہ اپنی دوکان کو ترقی دینے کے لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے

کسی گاہک کا مذاق اڑایا جائے ۔ اسے اندیشہ تھا کہ ....اس طرح تو اس کے گاہک ٹوٹ جائیں گے ۔ اس نے ہم سے کہا " بھائی! میرے گاہکوں کو ہنشکاؤ نہیں ۔ بری بات ہے ۔

بات آئی گئی ہوگئی ۔ دوسرے دن پھر ہم سب دوکان کے سامنے کھڑے اِدھر اُدھر کی بے تُک تال اڑا رہے تھے کہ بڑے میاں آتے دکھائی دیئے اور ہم عقیل کے کسی فقرے کے بغیر ہنسنے لگے ۔ بڑے میاں آئے ۔ انھوں نے سودا لیا ۔ پھر ہم کو دیکھ کر کہا ۔ " اللہ تعالیٰ تم کو ہنستا اور خوش و خرم رکھے ۔"

اس کے بعد کہنے لگے ۔ " کل تم نے میرے لئے بڑا اچھا لفظ استعمال کیا تھا ۔ تم نے مجھے " لولو " کہا تھا ۔ بچّو! جانتے ہو لولو کے کیا معنی ہیں ؟"

ہم ڈرے کہ کہیں بڑے میاں ڈانٹ ڈپٹ کریں اور کچھ بڑے بوڑھے آکر ہم پر خفا ہوں لیکن ہمیں بڑا اطمینان ہوا جب بڑے میاں نے ہم سے کہا ۔

" بچّو! لولو کے معنی ہیں ، موتی ۔" تم نے مجھے لولو کہا تو میں بہت خوش ہوا ۔ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوسروں کو اچھّے نام سے پکارو ۔ تم نے مجھے اچھے نام سے پکارا ۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو اجر دے ۔"

بڑے میاں اس طرح وعظ کہہ کر چلے گئے وہ تیسرے دن

پھر آئے اور بھئی، تیسرے دن ہی کیا وہ تو روز ہی عصر کے بعد آیا کرتے تھے۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ ہم کو سلام کرتے تھے۔ تیسرے دن عقیل نے پہل کی۔ اس نے بڑے میاں کو جیسے ہی آتے دیکھا۔ دور ہی سے سلام جھاڑ دیا۔ اور ہماری یہ حالت کہ ہنسی کے مارے دہرے ہوئے جا رہے تھے۔ بڑے میاں نے پھر، جیسے ان کی عادت ہو۔ بولے۔ " اللہ تعالیٰ تم سب کو ہنستا اور خوش و خرم رکھے۔ اس کے بعد کہنے لگے۔ " آج تم نے مجھ سے زیادہ ثواب کمایا۔ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو پہلے سلام کرتا ہے اسے زیادہ ثواب ملتا ہے اور دیکھو تو! کیا تم السلامُ عَلیکم کے معنی جانتے ہو؟ السلام علیکم کے معنی ہیں۔ تم پر دنیا اور عقبیٰ دونوں جہان کی سلامتی ہو۔ تم دنیا میں بھی امن چین سے رہو۔ کوئی مصیبت نہ آئے۔ اور آخرت میں بھی جہنم کے عذاب سے بچے رہو۔ بچو! تم نے مجھے بڑی اچھی دعا دی۔ تم سب پر بھی دنیا جہان کی سلامتی ہو۔

بڑے میاں وعظ کہہ کر چلے گئے۔ اس کے بعد اگلے دن آئے تو ہم سب معمول کے مطابق دوکان کے سامنے ہنس بول رہے تھے عقیل نے بڑے میاں کو دیکھا تو بولا۔

" میں تو چلا بھئی "۔ میں نے کہا " کیوں ؟ " بولا۔ " لاحول آرہا ہے اب شیطان کا کیا کام ؟ "

میں نے کہا۔ " ٹھہر بے! آج کا وعظ بھی سُن لے "۔ عقیل رک گیا

مگر اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور پھر جیسے ہی بڑے میاں پاس آئے نہ جانے کیا سوچا، یوں سمجھئے کہ اس کی پسلی پھڑکی اس نے بڑھ کر کہا "السلام علیکم" اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بڑے میاں نے بڑے تپاک سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ بولے۔ "تم سب بہت اچھے نوجوان ہو۔ آج تم نے کل سے زیادہ ثواب کمایا۔ سلام کے بعد مصافحہ کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں جیسے مجھے تم سے محبت بڑھ رہی ہے اور بھئی کیوں نہ بڑھے۔ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سلام کرنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے تم کو تمہارے والدین نے بڑی اچھی تعلیم دی۔ کہاں پڑھتے ہو۔

"کہیں نہیں۔"

"تو پھر تمہارے ماں باپ ہی نے تم کو یہ تعلیم دی۔ بڑے اچھے ہیں تمہارے ماں باپ۔"

ہم سب چپ۔ کہاں تو ہم بڑے میاں کو بنا رہے تھے۔ اب اُلٹی آنتیں گلے پڑیں، ہم سب خود بن گئے۔ ہم کو خاموش دیکھ کر بڑے میاں پھر وعظ فرمانے لگے۔

"بھئی، تم سب بڑے ذہین معلوم ہوتے ہو۔ کچھ تو پڑھے ہو گے؟"

"ہاں بچپن میں شاید کچھ پڑھا تھا پھر چھوڑ دیا۔"

"تو پھر تم اب بڑی آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔ پریشانی تو شروع میں ہوتی ہے۔ پھر تو دروازہ کھل جاتا ہے۔ میری رائے ہے تم سب

اتنا ضرور پڑھ لو کہ چھوٹی چھوٹی کتابیں رواں پڑھ سکو۔ دیکھو نا! تم سب
مسلمان ہو۔ مسلمان کہتے ہیں اللہ کے تابعدار اور اللہ کا حکم ماننے والے
کو۔ لیکن اگر تم کو اللہ کے حکم ہی نہ معلوم ہوں تو پھر تم تابعداری
کیسے کرو گے۔ کتابوں میں یہ سب لکھا ہے کہ اللہ کا حکم کیا ہے۔ اللہ
کی مرضی کیا ہے۔ ہم کیا کریں کہ اللہ ہم سے خوش ہو جائے، ہے نا!"
بڑے میاں نے عقیل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور اسی فقرے
کسنے والے عقیل کا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اب میں
بولا۔
"مولانا! یہ بن رہا ہے، گیارہویں میں پڑھتا ہے اور بڑا کائیاں
ہے اسے کتابیں دیجئے یہ پڑھ لیتا ہے۔"
"ماشاء اللہ جزاک اللہ!" کہہ کر پھر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد
اب ہم سب نے کہا "یار! بھلا چاہتے ہو تو اب یہاں مت کھڑے
ہوا کرو۔ ورنہ یہ مولانا صاحب وعظ پلاتے پلاتے ناطقہ بند
کر دیں گے۔
مگر پھر جب اگلا دن آیا تو وہ جو مثل ہے کہ تلوا میرا کھجلائے ہے۔
ہم غیر ارادی طور پر عصر کے وقت دوکان پر پہنچ گئے۔ مولانا صاحب
تشریف لائے تو ایک کتاب ان کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے
دوکان سے سودا لیا۔ پیسے دیئے اور کتاب عقیل کی طرف بڑھائی۔
نہ چاہتے ہوئے عقیل کو کتاب لینی پڑی۔ بڑے میاں چلے

گئے اور ہم نے طے کیا کہ بھئی خیر اسی میں ہے کہ یہ جگہ چھوڑ دیں۔

ہم نے عصر کے وقت دوکان پر جانا چھوڑ دیا اور ایک دوسری جگہ اڈا جمایا۔ کتاب تو عقیل نے گھر میں کہیں ڈال دی لیکن ایک دن عجیب و غریب خبر سنائی۔ بولا "یار! یہ مولوی تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گیا۔ کل میرے گھر آدھمکا۔ میرے والد سے ملا۔ میں تو گھر سے نکلا نہیں۔ لیکن اندر ہی آڑ میں کھڑا ہو کر باتیں سننے لگا۔ بڑے میاں میرے والد سے کہہ رہے تھے۔

"ماشاء اللہ! آپ کا لڑکا بہت ذہین ہے۔ آپ نے اسے دینی تعلیم بھی اچھی دی۔ وہ دوسروں کے لئے بڑے اچھے لفظ بولتا ہے۔ سلام کرتا ہے۔ اس دن تو میں بہت خوش ہوا جب اس نے مجھے لولو کہا۔ لولو کے معنی ہیں موتی۔ اس نے مجھے موتی سے تشبیہ دی۔ میرا دل بہت خوش ہوا۔

یہ وعظ فرما کر مولانا صاحب تو چلے گئے اور والد صاحب گھر میں آئے۔ جوتا نکالا اور میری طرف لپکے۔" نالائق! ایسے بزرگ سے بدتمیزی کرتا ہے۔"

وہ تو کہئے امی نے بڑھ کر بچا لیا ورنہ ابا جان چاند گنجی کر دیتے عقیل یہ سمجھا کہ بڑے میاں نے ابا سے شکایت کی وہ ان کا دشمن ہو گیا اور بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ ہم سب سے کہا آج مولانا صاحب کے گھر چلنا ہے۔"

"ارے یار! چھوڑ بھی تو لاکھ کائیاں سہی لیکن اس مولوی کے آگے تیری سٹی گم ہو جائے گی۔"

عقیل نہ مانا اور ہم سب کو لے کر بڑے میاں کے گھر کی طرف چل دیا۔ بڑے میاں اپنے باہری کمرے ہی میں تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔ مرحبا اہلاً و سہلاً کہہ کر اٹھے۔ ہماری طرف بڑھے علیک سلیک ہوئی، مصافحہ ہوا۔ ہمیں کمرے میں چھوڑ کر گھر گئے۔ اور پھر آکر ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ اتنی دیر میں عقیل نے ان کا فاؤنٹن پین پار کر لیا۔ اپنی جیب میں رکھ کر ایسا سنجیدہ ہو کر بیٹھا جیسے وہ کوئی بڑا شریف نوجوان ہو۔

مولانا نے شاید اسی لئے کہ قلم کو ایک طرف رکھ دیں۔ انھوں نے قلم کی جگہ پر دیکھا اور خاموش رہے۔ عقیل اور ہم سب کچھ بات چھیڑنے والے تھے کہ اندر سے چائے آگئی۔

چائے پینے کے ساتھ مولانا کا وعظ بھی شروع ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مومن بندہ محض اللہ کے لئے کسی مومن سے ملتا ہے تو اللہ اس کے لئے جنت واجب کر دیتا ہے تو اے بچو! میں تم کو جنت کی امید دلاتا ہوں تم مجھ سے ملنے اسی لئے تو آئے کہ اللہ خوش ہو۔ اس کے سوا تمہارا اور کوئی مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے۔"

چائے پی کر ہم دونوں چپکے سے وہاں سے اٹھ آئے۔ راستے میں

عقیل بولا ۔" یار! میرا خیال تھا کہ اس وقت بڑے میاں قلم میز پر نہ دیکھ کر شبہ کریں گے اور میں جواب دوں گا کہ آپ مجھے چور بناتے ہیں اور پھر میں اچھی طرح ان کی خبر لوں گا۔ مگر یار! اس مولوی نے یہاں بھی داؤں کھیل کر بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اچھا خیر! پھر دیکھا جائے گا۔

یہ کہہ کر عقیل اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن مجھ سے ملا تو کہنے لگا۔ "یار! اب تو میں بڑی مشکل میں ہوں ۔ یہ مولوی ابا جان سے جمعہ کے دن ملا اور ان سے کہا کہ آپ ناحق عقیل بھیا پر خفا ہوئے، اس نے تو موقع کہہ کر میری عزت بڑھائی اور آپ اس غریب پر خفا ہوئے۔ اب نیا تماشہ سنو! کل ابا جان نے مولانا کی دعوت کی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ جاکر ان حضرت کو اطلاع کر دوں تو چلو تم بھی مطلع کر دیں۔

میں عقیل کے ساتھ ہو گیا مولانا کے گھر پہنچا۔ وہ بڑی محبت سے ملے ۔ اسی وقت ڈاکیہ آ گیا۔ وہ منی آرڈر لایا تھا اس سے روپئے لے کر میز ہی پر رکھ دیئے اور گھر کے اندر گئے ۔ میں نے عقیل کی طرف دیکھا کہ دیکھوں یہ روپئے اچک لیتا ہے یا نہیں مگر اس کا عجیب حال تھا اس نے مولانا کا قلم جیب سے نکال کر رکھ دیا اسی وقت مولانا آ گئے کہنے لگے ۔ عقیل میاں میرا ایک کام کر دو ۔ لو یہ دس روپئے لو۔ بازار سے سیب لے آؤ۔ عقیل نے روپئے لے لئے اور بازار چلا گیا۔ مولانا نے مجھے روک لیا اس کی عدم موجودگی میں مولانا نے

عقیل کی بڑی تعریف کی، بولے، اگر یہ بچہ اسلام کی تعلیم کو سمجھ لے تو بڑا کام کرسکتا ہے کیا اس نے وہ کتاب پڑھی جو میں نے اُسے دی تھی ؟

میں نے کہا "مولانا! آپ اُس کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ بڑا نالائق ہے وہ تو آپ کو ذلیل کرنے پر تُلا ہے آپ ہیں کہ اس پر فدا ہوئے جارہے ہیں۔

"ارے توبہ توبہ!" مولانا مجھے روک کر کہنے لگے۔ "توبہ غیبت نہ کرو۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے سے روکا ہے اور پھر غیبت پر ایک وعظ جھاڑ دیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ عقیل میری عزت کرتا ہے۔ وہ مجھے بہت مانتا ہے۔

"چہ خوش!" میں نے کہا خوب! مان نہ مان میں خوش گمان۔ میں کچھ اور کہنے والا تھا کہ عقیل سیب لے کر آگیا۔

دوسرے دن جب مولانا عقیل کے گھر گئے تو میں بھی وہاں تھا وہی سیب ساتھ لائے تھے۔ سیب اندر بھجوا کر کہنے لگے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تحفہ لے جانے کا بڑا ثواب بتایا ہے پھر کھاتے وقت کچھ نہ پوچھو۔ عقیل کے گھر کی سلیقہ مندی، کھانے کی تعریف اور عقیل کی سعادت مندی کا اس طرح ذکر کیا کہ ہم سب منہ تکتے رہ گئے۔

کھانا کھا کر وہ تو چلے گئے۔ عقیل کا یہ حال جیسے وہ کوئی بڑی

مہم ہار گیا ہو۔ مجھ سے کہنے لگا۔ ”یار! اس مولوی نے تو مجھے چت ہی کر دیا۔“ میں نے پوچھا ”کیا مطلب ہے؟“

بولا۔ اب تو یہی جی چاہتا ہے کہ مولانا سے اسلام کی تعلیم سمجھوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم سمجھے بغیر میں انسان نہیں بن سکتا۔ میں نے تو مولانا کا مذاق اڑایا تھا۔ مولانا نے مذاق ہی مذاق میں مجھے وہ کچھ پلا دیا جس کا لطف جس کی تراوٹ میں محسوس کرنے لگا ہوں۔ بولو! چلتے ہو مولانا کی خدمت میں؟“

”مولانا کی خدمت میں؟“ میں عقیل کا منہ تکنے لگا اور پھر کیا عرض کروں۔ چھ مہینے کے بعد ایک دن مولانا نے عقیل سے کہا۔ بھیا عقیل! ایک امانت سونپنا چاہتا ہوں۔ یہ میری لائبریری ہے اس میں بڑی ہی منتخب کتابیں ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری لے لو۔ اور اس کا حق ادا کرو۔ اس کا حق یہ ہے کہ جس طرح تم نے میری لائبریری کی بیشتر کتابیں مطالعہ کر لیں۔ اسی طرح دوسروں کو بھی مطالعہ کرا دو۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب مجھ سے دوڑ بھاگ نہیں ہو پا رہی ہے۔“

عقیل مولانا سے ایسا زیر ہو چکا تھا کہ وہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اس نے بڑھ کر مولانا کا ہاتھ تھام لیا اور فرطِ محبت یا جوشِ عقیدت میں آنکھوں سے لگانے لگا اور میں سوچ رہا تھا کہ خوب جن کو شیشے میں اتارا گیا۔

پاؤں پھیری

میری عمر تیس سال کی ہو چکی تھی۔ لیکن شادی نہ ہو سکی تھی۔ میری شکل وصورت بری نہیں۔ میری ماں مجھے دیکھ دیکھ کر اپنی عمر کی عورتوں سے کہا کرتی تھیں۔ "دیکھو تو بہن! جمیلہ میری بچّی کیسی پیاری لگتی ہے۔ تازہ انار کے دانوں کی طرح سرخ ہو رہی ہے۔ ماشاءاللہ چشم بد دور، ناک کیسی سیدھی سیدھی سی۔ کیسا اچھا کتابی چہرہ، مگر تقدیر کی ہیٹی ہے۔ بتاؤ ہماری ذات میں کیا خامی ہے۔ اوپر کی سات پیڑھیاں دیکھ لو، ہم کھرے سرحدی ہیں دان دہیز (جہیز اور اس کے ساتھ نقد بھی) دینے کو ہے۔ ہاں بہن اتنا نہیں کہ ان سہرے داروں کا منہ بھرا جا سکے۔ بس بات یہ ہے جو آتا ہے جمیلہ کو تو پسند کرتا ہے۔ مگر پھر سودے بازی پر اتر آتا ہے۔ اتنی بھاری مانگ کرتا ہے کہ ہم کو خدا یاد آجاتا ہے۔ جمیلہ کے باپ زیادہ تو نہیں، ہاں اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ لڑکا کچھ نہ کچھ خدا اور رسول کو تو پہچانتا ہو بہن! تم ہی سوچو، آج کل کماسدھ لڑکے مل جائیں یہی غنیمت ہے۔ خدا اور رسول والوں کو کون پوچھتا ہے مگر خانصاحب ہیں کہ یہ ارمان پال رہے ہیں۔ ابھی کہہ رہے تھے۔ اب تو میں یہ سوچتا ہوں کہ کہیں کوئی لڑکا سیدھا سادھا مسلمان ٹائپ کا مل جائے اس سے دو بول

کھلوا دوں اور بیٹی کے حق سے ہلکا ہو جاؤں۔

ماں باپ کے یہ سارے خیالات کچھ تو اپنی سہیلیوں سے مجھے معلوم ہو جاتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ ہم رات کو لیٹے ہوتے۔ ماں باپ یہ سمجھتے کہ میں سو رہی ہوں اور وہ مجھے سوتا ہوا جان کر میرے بارے میں باتیں کرنے لگتے اور مجھے سب معلوم ہو جاتا۔ پھر مجھے ایک دن پتہ چل گیا کہ ایک منشی جی پینتیس چھتیس برس کی عمر کے ہیں۔ کہیں سے آئے ہیں اور پرانی سرائے کے پیچھے کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں۔ میرے ابا نے سنا کہ وہ شادی بیاہ میں ہونے والی بری رسموں کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ ابا خوش ہو گئے۔ امی کو ہموار کر لیا۔ نہ ذات دیکھی نہ برادری نہ گھر دیکھا نہ دوار۔ ایک صاحب کے ذریعہ چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ ابا خوش تھے۔ چلو سستے رہے۔ امی بھی کسی نہ کسی طرح مطمئن ہو گئیں۔ چلو پاپ کٹا۔ ہائے اللہ! میری شادی اب تک نہ ہو سکی تھی تو میں پاپ کی گٹھڑی تھی توبہ!

میری شادی ہو گئی۔ میں اپنے شوہر منشی جی کے کرائے کے مکان میں چلی گئی۔ میں نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس گھر میں جو سامان ہے وہ ہی ہے جو میں اپنے ساتھ جہیز میں لائی تھی۔ اگر یہ سب الگ کر دیا جاتا تو اللہ کے نام کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ ایک دن باتوں باتوں میں میری زبان سے نکل گیا۔ اگر میرے ماں باپ میرے ساتھ یہ جہیز نہ کر دیتے تو آپ کے یہاں اللہ کے نام کے سوا تھا ہی کیا؟ یہ بات کہنے کو تو میں کہہ گئی۔ لیکن

جب میں نے دیکھا کہ منشی جی صاحب یکدم سنجیدہ ہو گئے۔ تو دل ہی دل میں شرمندہ ہوئی۔ یہ بات مجھے نہیں کہنا تھی۔ اس طرح تو میں نے شوہر کی توہین کر ڈالی۔ تیس برس کی عمر میں قسمت سے شوہر ملا۔ کہیں ایسا نہ ہو اس کا ردِ عمل برا ہو۔ میں گھبرانے لگی۔ میرے شوہر صاحب یعنی منشی جی کچھ سکنڈ یا زیادہ سے زیادہ ایک منٹ خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے:

" مجھے آپ کے جہیز کی ضرورت نہیں " مجھے اللہ کا نام ہی چاہیئے۔ اللہ کا نام مجھے ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے " اور وہ پھر سنجیدہ ہو گئے۔ میں کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی۔ سمجھی یہ کہ چلو، شوہر اتنے ہی جہیز پر راضی ہے۔ لیکن منشی جی کی سنجیدگی کو دور کرنے کے لئے میں نے معذرت کی۔" میں نے یونہی کہہ دیا" منشی جی نے یوں ہی کہہ دینے والی بات کی پروا نہیں کی اور بات گئی گزری ہوئی۔

ہفتہ عشرہ میں نے انتظار کیا کہ میرے شوہر صاحب اب کہیں کہ " پاؤں پھیری " کب ہو۔ پاؤں پھیری کی رسم ہم سرحدی پٹھانوں میں باپ دادا سے چلی آرہی ہے۔ پہلے پہل دلہن اپنی ماں کو بلاتی ہے۔ ماں کے ساتھ ٹبر (خاندان) کی تمام بوڑھی، جوان عورتیں آتی ہیں۔ ان کی تواضع ہوتی ہے۔ دلہن کا یعنی دلہن کے شوہر کا خرچ تو سو دو سو روپیہ ہوتا ہے لیکن سب ہی عورتیں دس دس پانچ پانچ اور مالدار خاتون پچاس پچاس دیتی ہیں۔ اس طرح سو دو سو کے بدلے ہزار پانچ سو آجاتے ہیں۔ اس رسم کو " پاؤں پھیری " کہتے ہیں۔ جب تک "پاؤں پھیری"

کی رسم نہ ہو ماں بیٹی کے گھر نہیں آسکتی۔ نہ دوسری رشتہ دار عورتیں آسکتی ہیں۔ منشی جی کی طرف سے "پاؤں پھیری" کی تحریک نہیں ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔" میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ منشی جی نہ جانے کس خاندان سے تھے۔ وہ پاؤں پھیری کے نام سے اس طرح چونکے جیسے جانتے ہی نہ ہوں۔ پوچھنے لگے۔ یہ "پاؤں پھیری" کیا ہوتی ہے۔ میں نے وضاحت کی تو سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے کہ یہ تو رسم معلوم ہوتی ہے۔ میں نے کہا، حرج ہی کیا ہے اپنا ہی فائدہ ہے۔ بولے، پھر تو یہ بہت ہی بری رسم ہے۔ اپنے فائدے کے لئے دوسروں پر بوجھ ڈالنا اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلّم نے کب بتایا ہے ؟

" اور اللہ نے یہ بتایا ہے کہ میری ماں، میری خالائیں، ممانیاں، سکھی سہیلیاں میرے گھر نہ آئیں۔ میں جھنجھلا گئی۔ میں نے بیاہ کے دسویں دن یہ طنز کیا۔ بڑے ٹھہرے ٹھہرے انداز اور لہجے سے بولے۔" اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلیں گی" تو ضرور آئیں گی۔" پھر کہنے لگے۔" جمیلہ .... اُوئی! میرا نام لے لیا۔ توبہ کرو۔" کہنے لگے۔

توبہ بعد میں کر لوں گا۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ابھی ہماری شادی کو دس ہی دن ہوئے ہیں۔ اچھا ہے ایک بات کہہ دوں۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ تم اور تمہارے ماں باپ اور رشتہ دار سب ہم سے خوش ہو جائیں گے۔"

میں کچھ نہ سمجھ کر ان کا منہ تکنے لگی۔

" دیکھو! میں ایک پردیسی یہاں آگیا۔ تم کو اور تمہارے ماں باپ کو

نہیں معلوم کہ میں کس ذات برادری کا آدمی ہوں پھر بھی تمہاری شادی مجھ سے ہوگئی۔ تم اور تمہارے ماں باپ جانتے ہیں کہ یہاں نہ میرا گھر نہ میرے پاس مال و دولت۔ پھر بھی تمہاری شادی میرے ساتھ ہوگئی۔ تم اور تمہارے ماں باپ دیکھتے ہیں کہ میں تمہاری طرح حسین و جمیل نہیں پھر بھی تمہاری شادی میرے ساتھ ہوگئی۔ جن لوگوں نے سنا یا جن لوگوں نے شادی میں شرکت کی۔ ان میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ یہ شادی ناجائز ہوئی۔ آخر کیوں؟ سوچو، وہ کون سی کڑی تھی جس نے تم کو اور مجھ کو جوڑ دیا۔ مہر بھی ایک لاکھ اور اکیاون اشرفیوں کا نہیں بندھا۔ وہی مہر فاطمی۔ اللہ اللہ خیر صلّا۔

منشی جی یعنی شوہر نامدار کا یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ میری سمجھ سے بہت اونچی بات کہہ رہے تھے۔ میں ٹکر ٹکر انھیں تکتی رہی وہ سمجھ گئے کہ میں کچھ نہیں سمجھی تو خود بتایا۔ "دیکھو، وہ کڑی ہے۔ ہمارا دینِ اسلام۔ ہماری تمہاری شادی صرف اس لئے ہوگئی کہ ہم دونوں بفضلہ مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے۔ ہمارے دین کی برکت سے نہ شکل وصورت روڑہ بنی، نہ ذات برادری، نہ دولت، تو پھر کیوں نہ ہم اسلام جیسی بابرکت چیز کو دانتوں سے پکڑ لیں۔ جیسا اسلام بتائے ویسا ہی کریں۔ میں نے اسلام کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اس کو سامنے رکھ کر "پاؤں پھیری" مجھے ایسی رسم لگ رہی ہے کہ جو نہ ہو تو ہمارے قریبی رشتہ دار ہم سے چھٹے رہیں گے۔"

[illegible] مولوی صاحب سے پوچھ

آؤں "۔ وہ گھر سے چلے گئے۔ میں ان کی یہ باتیں .... سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی اور دل میں کہہ رہی تھی کہ بات دل لگتی سی کہہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے ابّا کے ساتھ گھر آئے۔ معلوم ہوا کہ دونوں مولوی صاحب کے پاس گئے تھے۔ ان سے " پاؤں پھیری " کے بارے میں فتویٰ پوچھا انھوں نے اسے بدعت بتایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ یہ رسم نہ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نے کی، نہ صحابہ نے اور نہ ہمارے بزرگوں نے پھر ابّا جان نے مجھے سمجھایا کہ منشی جی جیسا کہیں ویسا ہی کرو۔

" پھر میری امی میرے گھر کیسے آئیں گی ؟ " میں نے اُداس اُداس لہجے میں کہا۔

" آئیں گی "۔ منشی جی یعنی میرے شوہر نے جواب دیا۔

" کیسے ؟ " میں نے پوچھا۔

" یہ بات ابّا جان بتائیں گے "۔ میرے شوہر نے ابّا جان کی طرف دیکھا۔ انھوں نے بتایا کہ بیٹی ! آج تمہارے گھر مولوی صاحب کا وعظ ہوگا اور اس میں عورتیں ہی آئیں گی۔

" میری امّی بھی ؟ "

" ہاں ! "

" میری خالائیں بھی ؟ "

" ہاں ! "

" اور ممانیاں بھی اور فلاں بھی اور فلاں بھی ؟ "

" ہاں سب آئیں گی!"

ابا جان یہ کہہ کر چلے گئے۔ منشی جی بھی دن بھر غائب رہے۔ میں اپنے چھوٹے سے کرائے کے مکان میں فرش بچھانے لگی۔ رات کو عشاء بعد مولوی صاحب کا وعظ ہوا۔ مولوی صاحب نے اپنے وعظ میں پہلے بی بی فاطمہ کی شادی کا حال کہہ سنایا۔ پھر حدیثیں پڑھ پڑھ کر بتایا کہ اسلام میں بہترین شادی وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو اور اس میں کوئی رسم قبیحہ یعنی بُری رسم نہ ہو۔ مولوی صاحب نے میری شادی کی بڑی تعریف کی۔ سمجھایا کہ ایسی ہی شادیاں بابرکت ہوتی ہیں۔ ہمیں اسی طرح شادیاں کرنا چاہیئے۔

مولوی صاحب وعظ کہہ کر چلے گئے۔ اسی وعظ میں میری ماں، خالائیں ممانیاں، پھوپھیاں وغیرہ سب تھیں۔ منشی جی کچھ چھوارے لائے تھے۔ وہی دو دو چار چار تقسیم کر دیئے گئے۔ جب میری یہ بزرگ عورتیں جانے لگیں تو کسی نے دو، کسی نے پانچ، کسی نے دس، کسی نے کچھ، کسی نے کچھ دیا۔ میں نے رکھ دیا۔ سب چلی گئیں تو میں نے یہ سب شوہر کے سامنے رکھا اور کہا کہ لیجئے، پاؤں پھیری ہوگئی۔ مگر آپ نے پاؤں پھیری کو مسلمان کر لیا۔ یہ سن کر وہ اُداس ہو گئے۔ بولے "افسوس! آخر تم سب نے سودا کر ہی لیا۔" اور وہ جب تک سو نہ گئے اُداس ہی رہے۔

صبح کو مجھ سے کہنے لگے۔ کل میں سارے رشتہ داروں کے گھر گیا تھا۔

سب سے باتیں کی تھیں۔ تم نے سچ ہی کہا تھا کہ جب تک پاؤں پھیری نہ ہوگی تب تک کوئی نہ آئے گا۔ یہی بات سب نے مجھ سے کہی۔ میں نے سمجھایا کہ پھیری تو پھر دیکھی جائے گی۔ آج تو اللہ رسولؐ کا ذکر ہوگا۔ اس سے کوئی بھی مسلمان کیسے منہ موڑ سکتا ہے؟ میرے اس سوال نے سب کو لاجواب کر دیا اور سب آنے پر مجبور ہوگئیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ سب یہ حیلہ نکال لیں گی۔

پھر پوچھنے لگے۔ "کتنا روپیہ ملا تم کو؟ میں نے دو سو چوبیس روپیہ ان کے آگے رکھ دیئے۔ روپئے انھوں نے اپنی جیب میں رکھ لیئے کہنے لگے۔ "کل جب میں سب کے گھر گیا تو رشیدہ خالہ کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ ان کی تلے اوپر چھ اولادیں اور وہ بیوہ بے چاری دوسرے گھروں کا کام کاج کر کے جیسے تیسے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی ہیں۔ کیوں نہ ان کو سلائی کی مشین لا دوں۔ گھر بیٹھے سلائی کر کے وہ تین چار روپیہ کما لیا کریں گی۔" میرے دل میں نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں میں کچھ نہ کہہ سکی وہ چلے گئے اور انھوں نے مشین خرید کر رشیدہ خالہ کو دے دی۔ پھر جب گھر آئے تو بہت خوش تھے۔ میں اتنی بڑی رقم ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے ملول سی رہی۔

تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ کس بات سے خوش ہوتا ہے۔ دیکھنا اللہ تعالیٰ ہمارے گھر کیسی برکت نازل کرے گا۔ وہ تو یہ کہہ کر کام پر چلے گئے۔ ظہر کے بعد کوئی ساڑھے تین بجے رشیدہ خالہ زبیدہ پھوپھی کے

ساتھ میرے گھر آئیں ۔ میں نے ان کی خاطر مدارات کی ۔ پھر زبیدہ پھوپھی بولیں "ارے جمیلہ ! میں تو سمجھی تھی تو کسی ملّا کے سر منڈھ دی گئی ۔ نہ جانے کس ذات کا ہو مگر وہ تو ہیرا نکلا ۔ ہیرا کسی بڑے خاندان کا معلوم ہوتا ہے ۔ ہے تو سانولا ۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ مجھے تو بڑا پیارا لگا ۔ ایسا ہنس ہنس کر باتیں کرتا ہے جی چاہتا ہے سنا کرو ۔ اور ہے بھی بڑے دل والا ۔ اللہ کا شکر کر ۔ تجھے ایسا اچھا شوہر ملا ۔ دیکھ ! میری حیدری کے بارے میں کہنا کہ اپنا جیسا دولہا تلاش کر دیں ۔

اس طرح کی باتیں کر کے چلنے لگیں تو شام کے کھانے کے لئے دعوت دے گئیں اور پھر جو دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح کہیں ، دوپہر کہیں ، اور شام کو کہیں ۔ پندرہ دن میرے گھر چولہا نہ جلا ۔ جہاں گئی اپنی شادی کی دھوم سنی ۔ جی ہاں دھوم ۔ اگر ہزاروں روپیہ بھی خرچ کیا جاتا تو یہ دھوم نہ ہوتی ۔ پندرہ دن کے بعد جب ہم دونوں کو قبض ہوا تو ہم معذرت کرنے لگے ۔ آخر جب میں بیمار ہو گئی ۔ تو لوگوں نے پیچھا چھوڑا ۔ میری رشتہ دار عیادت کو آنے لگیں ۔ ان کی آمد پہ مجھے معلوم ہوا کہ رشیدہ خالہ نے میرے شوہر کے بارے میں بڑا پروپیگنڈہ کیا ۔ میرے گھر اور رشتہ داروں میں میرے شوہر کی شہرت ہوئی تو میں بھی اپنے "سنوریا" کی قدر کرنے لگی ۔

میں شوہر کی قدر کرنے لگی تو محبت بھی کرنے لگی ۔ محبت کرنے لگی تو ان کا کہنا بھی ماننے لگی ۔ کہنا ماننے لگی تو اب جو کچھ وہ کہتے ، اس پر

اعتراض نہیں کرتی ہوں ۔ بے سوچے سمجھے مان لیتی ہوں ۔ ایک دن بہت خوش تھے ۔ مجھ سے کہنے لگے ۔" اب تو بے چون وچرا میری بات مان لیتی ہو ۔ کیوں ؟"

"کیوں کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کی بات اچھی ہی ہوتی ہے ۔ اور آپ کی بات میں نرمی ہوتی ہے ۔

"اچھا اگر میں کہوں کہ چلو چلیں، سینما دیکھنے تو چلو گی ؟"

میں ان کا منہ دیکھنے لگی ۔" ہائے اللہ ! آج کیسی باتیں کرنے لگے ۔ سنا ہے کہ سینما دیکھنا حرام ہے ۔"

"سینما حرام ہے تو چلیں شراب پئیں چل کر ۔"

"اوئی ! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں ؟"

"کیوں کیسی باتیں ہیں یہ ۔"

"یہ تو سب حرام ہیں ۔"

"کون کہتا ہے ۔"

"میرے ابا کہتے ہیں کسی مولوی سے پوچھو تو ؟"

"تمہارے ابا اور مولوی صاحب کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں حرام ہیں ؟"

اب میں بغلیں جھانکنے لگی ۔ ہنس کر بولے ۔" تم کو یاد نہ رہا ۔ یہ اور ایسی باتیں اللہ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حرام کی ہیں ۔ کاش تم پڑھی لکھی ہوتیں !"

تو کیا میں جاہل ہوں ؟ اردو پڑھی ہوں، ہندی پڑھی ہوں۔ انگریزی بھی پڑھی ہے۔ دسویں میں تھی کہ ابّا نے اٹھالیا۔ اب تک ایم اے کرلیا ہوتا۔ ابّا کو کون کہے۔

"ہاں یہ تو سب پڑھا ہے مگر یہ بتاؤ " اسلام " بھی پڑھا ہے ؟ "

" اسلام ؟ ــــ سچ مچ اسلام کے بارے میں میں نے کچھ نہ پڑھا تھا۔ مجھے دلچسپی بھی نہ تھی۔ کبھی قرآن لے کر بیٹھتی تو ناظرہ رٹ جاتی خاک سمجھ میں نہ آتا۔ پھر یہ کہ اس کے سمجھنے کے لئے مولوی ہونے کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا۔ اسلام کے بارے میں پڑھنا میرے بس کی بات نہیں ! "

" واہ، یہ خوب کہی، اتنا آسان مذہب۔ پیارے نبیؐ کے پاس عرب کے بے پڑھے لوگ آتے تھے۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور پھر ایسے تم سمجھو مولوی ایسا مسلمان کیا ہوگا۔"

" ارے یہ کیسے ؟ "

" یہ ایسے کہ وہ طرح طرح کے وہموں میں مبتلا ہوتے تھے۔ بتوں کو خدا سمجھتے تھے۔ ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ ان کو حاجت روا سمجھتے تھے۔ بری بری رسموں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اونچ نیچ کے قائل تھے۔ بڑے لوگوں کے کہنے پر چلتے تھے۔ جو جی میں آتا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے نفس کو خدا بنا رکھا تھا۔ بتوں کو خدا بنا رکھا تھا۔ پیروں فقیروں اور سادھوؤں کو اس طرح مانتے تھے جیسے یہ سب خدا ہوں۔

بادشاہوں کا حکم اس طرح بجالاتے تھے جیسے زندگی اور موت کے مالک وہی ہیں اب جونہی عربوں نے لاالٰہ الاّ اللہ پڑھا اور مان لیا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انھوں نے ان سب کی اطاعت سے انکار کر دیا اور صرف اللہ کی اطاعت قبول کرلی۔ پھر کہا۔ "محمد رسول اللہ" تو یہ اقرار کیا کہ اب محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکموں کے بارے میں جس طرح بتائیں گے۔ اسی طرح اللہ کے بارے میں عقیدہ رکھیں گے۔ اور جس طرح پیارے نبیؐ اللہ کے حکموں پر چلنے کو کہیں گے اسی طرح چلیں گے۔ تو دیکھو! آج بھی تو لوگ ایسی ہی باتوں میں پھنسے ہیں۔ ہم بھی ایسے ہی ہیں تو پھر آؤ سمجھ کر لاالٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ کہیں۔ آج ہی سمجھ میں آجائے گا۔ اس کے بعد روز دو ایک باتیں اللہ اور رسول کے حکموں کے بارے میں سیکھ لیا کریں گے۔

"ارے اتنا آسان ہے؟" ایسا لگا جیسے اسلام کو سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اسی دن طے ہو گیا کہ آج سے رات کو گھنٹہ آدھ گھنٹہ اسلام کی ایک نہ ایک بات ضرور سیکھا کریں گے۔

اس کے بعد کچھ دن تو میں نے اپنے شوہر کی مدد سے قرآن کا مطالعہ کیا۔ پھر خود ترجمہ سے کام لیا۔ اب جب کہ میں بچوں والی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ اگر میرے شوہر جناب منشی جی نرم کلامی سے کام نہ لیتے اور سختی برتتے تو میں ہرگز ان کی بات نہ مانتی۔ اب کبھی کبھی وہ خفا بھی ہوجاتے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ خفگی ہمارے بھلے کے لئے ہے۔ ان کی خفگی کا ایک

دل چسپ واقعہ سنا کر اپنی بات ختم کرتی ہوں۔

ایک بار مہینہ شروع ہوا۔ وہ مجھے مہینے بھر کا خرچ دینے لگے تو میں نے کہا کہ ستائیس روپیہ اور دیجئے۔" کیسے ؟" انھوں نے پوچھا میں نے بتایا کہ فلاں فلاں جگہ قرض لے کر کام چلایا ہے انہی کو دینا ہے قرض کے نام سے ان کو چڑھ ہے۔ وہ خفا ہو گئے" کتنی بار کہا کہ قرض مت لو، مگر نہیں مانتیں۔ لاحول ولا قوۃ"

وہ خفا ہوئے تو کوئی بات نہیں۔ لاحول پڑھی تو مجھے برا لگا۔ میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔" تو کیا بچوں کو بھوکا مارتی۔ ان کا علاج نہ کرتی اور نہ جانے کیا کیا میں کہہ گئی۔ انھوں نے ستائیس روپئے مجھے دیئے تو ان کے پاس صرف تین روپئے رہ گئے۔ ان تین روپیوں کو وہ دیکھتے رہے پھر بولے" ان تین روپیوں کے تمہارے لئے سیب لے آؤں اور مسکرا پڑے۔

" میں نہیں کھاتی سیب" اور میں نے بھی لاحول پڑھی۔ لیکن دراصل یہ میرا نخرہ تھا۔ میں اپنے دل کی مسکراہٹ چھپا نہ سکی اور مجھے بھی ہنسی آگئی۔ لیجئے قصہ ختم۔

پری اتاری گئی آج خوب شیشے میں

"اری نجمہ! سکھانے سے بندر ناچنے لگتے ہیں۔ تیری بھابی کیسی بھی سہی ہیں تو آدمی ہی۔"

"نہ آپا جان نہ، میں نہیں مانتی۔ چچا سعدی کہہ گئے ہیں۔ تربیت نااہل راچوں گردگاں برگنبد است۔ ہماری بھابی بھی وہ گول گنبد ہیں جس پر کچھ بھی پھینکو رک نہیں سکتا۔"

"لیکن نجمہ سن تو، تو نے اپنی بھابی کو اتنی جلدی نااہل کیوں قرار دے دیا جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ان کو آئے ہوئے۔"

"اپّی، تانت باجی راگ پہچانا۔ میں نے ان کے بشرے سے سمجھ لیا کہ وہ بینگن ہیں پانی میں ڈالو پھر نکالو اس پر ایک قطرہ پانی کا نظر نہ آئے گا۔"

"احمق ہے تو جانتی ہے کہ بینگن بینگن ہی ہے۔ گنبد اینٹ پتھر ہے انھیں جس طرح پیدا کر دیا، بس وہ ویسی کی ویسی ہیں لیکن انسان کو دیکھ وہ بدلتا رہتا ہے۔ آج کچھ ہے کل کچھ۔ کہیں اچھی بری تعلیم اُسے بدل دیتی ہے۔ کہیں ماحول۔ تیری بھابی کو نہ تو اچھی تعلیم ملی، نہ اچھا

ماحول ۔ ہاں بڑا گھرانہ ضرور ملا۔ یہی خرابی کی جڑ ہے۔"

"اور وہ گھر سے لے کر آئیں تکبّر اور تمکنت ، اپّی ! کہیں متکبر آدمی بھی سُدھرتا ہے۔"

"سدھرتا کیوں نہیں۔ اچھّا آ، یہ تجربہ بھی کریں۔" اور یہ کہہ کر نصرت آپا نے برقع سنبھالا۔ بولیں "چل آج تیری بھابی سے میں بھی ملوں۔"

ہماری نصرت آپا بلا کی "گھس پینٹھی" ہیں۔ چاہے کوئی بلائے یا نہ بلائے۔ اس کے یہاں جا دھمکتی ہیں۔ کوئی ان سے بولے چاہے نہ بولے وہ خود چھیڑ شروع کر دیتی ہیں۔ میرے ساتھ آئیں سیدھی بھابی جان کے کمرے میں جا گھسیں۔ بھابی اس اچانک حملے سے ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نصرت آپا نے سلام کیا اور بھابی کے کچھ کہے بغیر ان کے پلنگ پر جا بیٹھیں اور بیٹھتے ہی شروع ہو گئیں۔

"اری نجمہ ! تو سچ کہتی تھی۔ سچ مچ تیری بھابی بڑی سلجھی اور سلیقہ کی ہیں۔ کیسا خوبصورت بنا رکھا ہے اپنا کمرہ۔ تو نے اپنی بھابی کی تعریف کے پُل باندھے تو میرا جی چاہا کہ میں بھی تو دیکھوں ، اللہ اور زیادہ سلیقہ دے۔ جیسا تو نے کہا تھا اس سے زیادہ پایا۔ تو بڑی خوش نصیب ہے کہ ایسی اچھی بھابی تجھے ملی۔"

آپا جان بھابی کی تعریف پر تعریف کیے چلی جا رہی تھیں اور بھابی جان تھیں کہ کِھلی جا رہی تھیں ، اور بڑی حیرت کے ساتھ بار بار مجھے دیکھتی جاتی تھیں۔ اچانک بپھر کر بولیں۔ "عجیب گھرانہ ہے ، نہ کسی

آئے گئے کا مان دان نہ خاطر تواضع، دیکھتی کیا ہے۔ وہ رکھا ہے میرا ہٹر۔ اسی پر جلدی سے چار بنا اور لے یہ نوٹ لے۔ سعید سے کہہ بازار سے کچھ لے آئے۔"

میں دنگ رہ گئی۔ یہ وہی ہٹر تھا۔ ایک دن میں نے اسے چھو لیا تھا تو بھابی نے ایسا گھُرکا کہ پھر اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کی ——
میں نے سعید کو نوٹ دیا اور خود ہٹر پر پانی رکھ دیا۔ پھر بھابی نے اپنے ٹی سٹ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے چھوٹی سی میز پر سلیقے سے لگا دیا آپا جان پھر شروع ہو گئیں۔

"اری نجمہ! دو دن میں تجھے بڑا سلیقہ آ گیا ہے۔ سچ ہے جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد، یہ سب تیری سگھڑ بھابی کا اثر ہے اور واہ ہی وا۔ کتنا خوبصورت ٹی سٹ دیا۔ جس نے دیا اس کی نظرِ انتخاب خوب ہے۔"

"آپا جان! یہ میرا چھوٹا بھائی لایا تھا۔" اتنی دیر کی بکواس کے جواب میں یہ پہلا جملہ بھابی کی زبان سے نکلا اور آپا جان نے دوسرا موڑ لیا۔

"ماشاء اللہ نجمہ! تیری بھابی کا گھر بھر حسنِ نظر رکھتا ہے۔"

حُسنِ نظر! آپا جان کا یہ بول انوکھا لگا۔ "حسنِ نظر" میں نے بھی دہرایا اور بھابی جان نے بھی اور پھر کچھ سوچ کر بھابی جان نے اپنے جہیز کی ایک ایک چیز دکھا ڈالی، اور آپا جان ہر چیز دیکھنے کے بعد

کہتی جاتی تھیں کہ اللہ مبارک کرے ۔ اللہ یہ سب برتنے کی توفیق دے ۔ اللہ اس دلہن سے گھر میں اُجالا پھیلے ۔ دلہن ! اللہ کرے کہ نجمہ تجھ سے وہ ساری خوبیاں سیکھ لے جو تو لے کر آئی ہے ۔"

یہ تھی آپا جان اور بھابی جان کی پہلی ملاقات ۔ میں دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ آپا جان دوسروں کو تو منع کرتی ہیں کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف مت کرو ۔ حدیثیں سناتی ہیں کہ منہ پر تعریف کرنے والے کے منہ میں خاک ، اور آج بھابی جان کی شان میں جھوٹ کا طومار باندھ دیا ۔

آپا جان کے جانے کے بعد میں نے چاہا کہ بھابی جان کے کمرے سے امّی جان کے پاس جاؤں اور ان کو یہ ڈراما کہہ سناؤں ، لیکن بھابی نے روک لیا اور کہا :

"آج میں نے تیری ایک چوری پکڑی ۔" بھابی نے یہ کہا ہی تھا کہ میں ڈر گئی سمجھ گئی کہ بھابی آج میرے لتّے لے ڈالیں گی ۔ وہ بھانپ گئیں ۔" بتاؤں تو نے کیا چوری کی ۔"

"میں نہیں سنتی چوری کی بات ۔" میں جھنجھلا گئی ۔ امّی جان سے جا کر کہوں گی ۔"

" اچھا چل ، میں بھی چلتی ہوں ۔ ان کے سامنے تیری چوری کھولوں گی ۔"

اور یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑے پکڑے امی جان کے کمرے میں پہنچیں ۔ امی جان ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکی تھیں ۔ مجھے سہما ہوا

دیکھا تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔

"دلہن کیا ہے۔ کیوں اسے میرے پاس گھسیٹے لا رہی ہو؟"

"امّی جان! نجمہ چور ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو دلہن۔ میری بیٹی نجمہ اور چور!؟" امّی نے ذرا ضبط سے کام لیا۔

"جی سنئے تو، برا نہ مانئے، آج میں نے اس کی چوری پکڑی ہے۔"

بھابی کے چہرے پر نہ غصّہ تھا نہ تیوروں پر بل۔ چہرہ ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ امّی جان سوالیہ نشان بن گئیں۔ بھابی جان کہہ رہی تھیں۔

"امّی جان! یہ نجمہ ہر وقت مجھ سے "لڑوں لڑوں" کرنے پر تلی رہتی ہے۔ سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ اور نصرت آپا کے یہاں جا جا کر میری تعریفوں کے پُل باندھتی ہے آج نصرت آپا آئی تھیں ان سے اس کی چوری کھلی امّی جان ہے نہ نجمہ چور۔

اور یہ کہہ کر بھابی جان نے دو مہینے میں پہلی بار اپنی ہتھیلیوں سے میرے گالوں کو دبایا اور میرا منہ چوم لیا۔

امّی جان حیران حیران دیکھ رہی تھیں کہ بڑے گھرانے کی گھمنڈی لڑکی کی کایا آج کیسے پلٹ گئی۔

"سچ کہو نجمہ! کیسی رہی۔"

" خوب رہی آپا جان! بھابی جان اس دن سے آپ کا کلمہ پڑھ رہی ہیں۔"

" کچھ بدلیں بھی ؟"

" صرف اتنا کہ ذرا کی ذرا امّی کے پاس بیٹھ لیتی ہیں۔"

" اور تجھ سے ۔"

" مجھ سے کُرید کُرید کر پوچھتی ہیں کہ آپا جان سے کیا کہتی ہے۔"

" تو کیا جواب دیتی ہے ؟"

" آپا جان! آپ بھی غضب کی ہیں بھلا میں کیا جواب دوں۔ کس قدر جھوٹ بکا ہے آپ نے اس دن۔ مارے تعریفوں کے مارے تعریفوں کے آپ نے توبہ .... وہ سب جھوٹ نہ تھا تو کیا تھا۔"

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ دو دلوں کو جوڑنے کے لئے میں نے ذرا نمک مرچ لگا کر بات کردی۔ تجھے ان کی نظر میں بٹھانے کے لئے بات کا رُخ موڑ کر گفت گو کی۔ میں سمجھتی ہوں یہ گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ثواب دے گا۔"

" ہاں آپا جان۔ آپ کی گفت گو کا نتیجہ تو بڑا اچھا رہا۔ اور بتاؤں ؟"

" ہاں بتا !"

" بھابی جان آپ کے یہاں آرہی ہیں۔"

" ایں میرے یہاں !"

"مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔ کہلا تو دیا ہوتا ۔"

"مجھے تو اسی لیئے پہلے بھیج دیا ہے ۔"

لیجیئے وہ بھابی جان تو تشریف لے آئیں ۔

السّلام علیکم آپا جان کہاں ہیں آپ !" یہ بھابی جان تھیں جو بے تکلف چلی آرہی تھیں ۔"

" اوہو ، ماشاءاللہ ، " وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں ۔" یہ تھیں آپا جان جو بھابی کی آمد پر شعر پڑھ رہی تھیں ۔

" اے ہے آپا جان ! میں کوئی بڑی شخصیت تھوڑی ہوں کیوں مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہی ہیں آپ !"

" دلہن بی ! دیکھو ، بڑا آدمی کوئی پیسے سے نہیں بنتا ۔ میں تو جس میں اچھے گن دیکھتی ہوں ۔ اسی کو بڑا سمجھتی ہوں ۔"

" اے ہے ! مجھ میں آپ نے کیا خوبی دیکھی ۔ میں تو اپنے میں کچھ بھی نہیں پاتی ۔"

" یہی تو بڑپن کی نشانی ہے جو اپنے منہ سے بڑا بنے وہ تھوڑی بڑا آدمی ہوتا ہے ۔"

" اپنے منہ میاں مٹھّو بننے والے سے تو لوگ بیزار ہو جاتے ہیں ۔"

" دلہن بی لوگ ! لوگ تو ہو ہی جاتے ہیں ۔ اللہ میاں اس پر لعنت بھیجتے ہیں ۔ شیطان اسی لیئے تو لعنتی ہو گیا کہ اس نے اپنے کو آدمؑ سے

بڑا سمجھا۔

یہ جو آپا جان نے کہا تو میں نے دیکھا۔ بھابی جان نے ایک جُھرجُھری لی۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے گال تھپتھپائے اور ان کی زبان سے نکلا۔

"توبہ!"

"اے بی دلہن! یہ دوسری خوبی آپ میں دیکھی۔ قرآن شریف میں ہے کہ توبہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔"

مگر آپا جان، توبہ جیسی توبہ ہو تو۔ یہ نہیں کہ زبان پر لفظِ توبہ اور عملاً بُرے کام دہراتے جائیں۔ یہ تو توبہ سے کھیل ہوا۔"

"دلہن بی! سچ بتلائیے کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟"

"نہیں، میں نے قرآن نہیں پڑھا۔" اور بھابی جیسے جھینپ سی گئیں۔

"مگر بات تو آپ نے قرآن کی کہی۔ توبہ کے بارے میں قرآن کے اندر یہی ہے جو آپ نے فرمایا۔"

"آپا جان! میں تو ایسے نمازیوں کو نمازی نہیں سمجھتی جو ایک طرف تو نماز پڑھتی ہیں دوسری طرف ساری برائیاں بھی کرتی ہیں۔"

"ارے واہ! نجمہ اپنی بھابی کی باتیں سُن رہی ہے۔ کہتی ہیں کہ قرآن نہیں پڑھا ہے۔ لیکن قرآن کی باتیں زبان پر ہیں۔ اس دن تو نے وہ جو آیت پڑھی کیا تھی۔ ذرا ترجمہ سنا تو۔

میں نے ابلتے ہوئے پانی میں چائے ڈالتے ہوئے پڑھا ——

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر" بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں

سے روک دیتی ہے ۔

" دیکھا دلہن بی ! آپ کی فطرت قرآن سے ملتی جلتی ہے ۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ قرآن پڑھیں اور ترجمہ دیکھیں تو بہت سی باتیں اپنی فطرت کے مطابق پائیں گی ۔ آپ پڑھتی جائیں گی اور کہتی جائیں گی کہ یہ تو میرے دل کی آواز ہے سچی بات ہے کہ قرآن ہے بھی انسان کی فطرت کے مطابق ۔ لا بھئی نجمہ ! چاء لے آ ۔"

میں نے چاء میز پر رکھدی ۔ ہم سب چاء پی رہے تھے اس وقت بھابی جان کسی سوچ میں تھیں ۔ آپا جان نے چپ سادھ لی تھی اور میں تو خاموش تھی ہی ۔ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ آج آپا جان نے اتنی کڑی پلائی کہ ....

سچ مچ بھابی جان قرآن کے بارے میں سوچ رہی تھیں ۔ میرا قیاس ٹھیک نکلا ۔ بھابی جان جب چلنے لگیں تو میرے کان میں کہا ۔

" نجمہ ! تیرے پاس ترجمہ والا قرآن ہے ؟ " میں نے ہاں کہہ کر سر ہلادیا تو آپا جان نے پوچھا ۔ " یہ نند سے کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے بھابی جان نے " کچھ نہیں کہہ کر ٹالنا چاہا لیکن میں نے بتا دیا تو آپا جان بہت خوش ہوئیں اور انھوں نے اپنا بہترین ترجمہ والا قرآن بھابی جان کے ہاتھوں میں دے دیا ۔

میرا تبلیغی طریقہ

(۱)

پہلے پہل تو میرا یہ طریقہ رہا کہ جب میرے گھر کوئی بہن آتی یا میں محلّے میں کسی کے گھر جاتی تو اجتماع کے بارے میں کہتی کہ ہم سب کو ہفتہ میں ایک بار مل کر بیٹھنا چاہیئے اور کچھ اللہ اور رسول کی باتیں کرنی چاہئیں۔ مگر میری اس بات کا اثر کسی پر نہیں ہوتا تھا۔ قریب تھا کہ میں ہمّت ہار بیٹھتی کہ اچانک ایک حدیث نظر سے گزری ۔ وہ حدیث جس میں پیارے نبی صلّے اللہ علیہ وسلم نے تحفہ بھیجنے کی برکت کا ذکر فرمایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو تحفہ بھیجا کرو چاہے وہ بکری کے کُھر کے برابر ہو۔

میں نے یہ حدیث پڑھی تو سوچا کہ اسے آزمانا چاہیے ۔ میں سوچ رہی تھی کہ ایک دن میرے میاں باہر سے آئے ۔ وہاں کسی نے ایک بڑی سی مچھلی تحفے میں دی تھی ۔ مچھلی لگ بھگ پانچ کلو تھی ۔ میاں نے کہا کہ یہ کل کی ہے ۔ آج سب پکالو ورنہ خراب ہو جائے گی ۔

خراب ہو جانے کے ڈر سے میں نے سوچا کہ مچھلی کاٹ کر اس کی بوٹیاں تحفے کے طور پر آس پڑوس بھیجدوں۔ پھر میرے خیال میں آیا کہ بوٹیاں بھیجنا ٹھیک نہیں ہے ۔ پکا کر بھیجنا چاہیئے، مگر پکانے میں تھی پریشانی

اول تو میرے گھر میں اتنا بڑا برتن نہیں تھا جس میں پانچ کلو کی مچھلی پک سکتی۔
دوسرے یہ کہ اتنا مسالہ کون پیسے ؟

میرے پڑوس میں ایک بیوہ خاتون رہتی ہیں نصیرن بوا ان کا نام ہے
ان کی ایک لڑکی ہے زیبن۔ زیبن میرے پاس پارہ اور اردو پڑھنے
آتی ہے۔ میں نے نصیرن بوا کی اپنے گھر دعوت کے لئے کہلا بھیجا۔
زیبن نے جا کر ماں سے کہا اور مچھلی کا ذکر کیا تو بوا دو ہی بجے آگئیں
میں اس وقت مچھلی بنا رہی تھی۔ بوا نے دیکھا تو بولیں ہٹو بہن! تم سے
نہیں بن رہی ہے۔ لاؤ میں بناؤں۔ بوا نے زیبن سے کہا تو جا مسالہ
پیس اور پھر مجھے پاس بٹھا کر مچھلی بنانے لگیں۔ انھوں نے پندرہ بیس
منٹ میں مچھلی کے گوشت کی بوٹیاں بنا ڈالیں۔ دہی میں نے منگالیا
تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ بڑی دیگچی کہاں سے آئے۔ بوا نے ذرا سوچا پھر
ڈوڑی دوڑی گئیں۔ عصمت خاں صاحب کی بیوی سے بڑی دیگچی
مانگ لائیں اب بوا تو مچھلی پکانے لگیں اور میں نے اور زیبن نے چاول
اور آٹا سنبھالا۔ اس دن بوا کی مدد سے بڑی دلچسپی رہی۔ کھانے کے
وقت آیا تو میں نے نصیرن سے کہا کہ عصمت خاں کی بیگم کو کھانے
پر بلالوں۔ بوا نے جواب دیا۔" ہٹو بی انھیں بلاؤ گی تو ان کے ساتھ لشکر کا
لشکر آدھمکے گا۔ بیٹی بیٹے سبھی آجائیں گے۔ میں جب دیگچی واپس لے
جاؤں گی۔ پاؤ بھر کے قریب مچھلی بھیجدینا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ تحفہ ڈھیروا

تو نہیں دیا جاتا۔ اِتنا پکا ہے اور بھی کسی کے گھر جانا ہے پھر یہ کہ آس پڑوس سب کو خبر ہو گئی ہے کہ مرزا جی پانچ کلو کی مچھلی لائے ہیں۔ اگر آس پڑوس نہ بھیجا تو بہن! تم جانو۔ اللہ کو بھی برا لگے گا۔ ایک دن میں مولوی صاحب کے وعظ میں گئی تھی۔ میں نے ایک حدیث سنی جس کا مطلب یہ تھا کہ گھر میں کسی چیز کو بگھارو تو اس کی خوشبو باہر نہ جائے یا پھر سب کو دو چاہے ذرا ذرا ہو۔

بوا کی باتوں سے میرا دل بڑھا میں نے کہا کہ یہ دینے کون جائے گا؟ "بی بی! میں دے آؤں گی مجھے بھی ثواب ملے گا۔" بوا نے سہارا دیا۔

میں نے بوا کو بڑے غور سے دیکھا مجھے ان کے اندر ثواب حاصل کرنے کا جذبہ بہت ہی لگا۔ میں دل ہی دل میں خوش ہوئی کہ اجتماع کرنے میں بُوا سے بڑا کام بنے گا۔

ہم سب کھا پی چکے تو بوا نے خود ہی مچھلی کا سالن الگ الگ پیالوں میں نکالا۔ زیبن سے کہا کہ یہ امجد میاں کے یہاں کا، یہ دُلّن آپا کا۔ یہ خیراتن کو دے دینا۔ یہ عظیم خاں کے یہاں اور یہ وہاں اور وہاں اور یہ وہاں، اس طرح نصیرن بوا حصّہ لگاتی رہی اور نام گناتی رہیں۔ انھوں نے دو دو بوٹی اور کچھ شوربا حصّہ بہ حصّہ کیا۔ ایک پیالہ بھر کے نکالا اور جیسے مجھ سے نہیں اپنے آپ سے کہا کہ عصمت خاں کی بیگم کا حصّہ پھر دیگچی اٹھائی اور حصّہ لے کر چلیں۔ میں نے کہا بوا واپسی میں

ملتی جانا اور دیکھو سالن تو بہت بچ گیا ہے کل باسی ہمارے یہاں ناشتے کے طور پر کر لینا۔

اچھا کہہ کر بُوا حصّے بانٹنے چل دیں۔ لوٹ کر آئیں تو سر پیٹ لیا۔ ہے ہے اللہ توبہ، میرے دھیان سے بالکل نکل گیا۔ دیکھو تو یہ سب موٹے موٹے یاد آئے۔ اور وہ غریب سلیمہ ذہن ہی میں نہ آئی بے چاری کے پانچ بچے ہیں اور میاں صرف ڈیڑھ سو کے نوکر ہیں۔ اے بہن سب سے زیادہ تو انہی کا حق ہے اور یہ کہہ کر بُوا نے جلدی جلدی ایک بڑے سے پیالے میں سالن نکالا، روٹیاں بچ گئیں تھیں۔ چار چھ روٹیاں لیں۔ پھر بولیں۔" بی بی! آج تم نے بڑا ثواب لوٹ لیا ہے۔

میں نے کہا۔" نصیرن بوا! میں نے نہیں ثواب تم نے لوٹا۔ دن بھر کام تم نے کیا۔ اپنی جان تم نے ماری۔ اور اب دوڑی دوڑی پھر رہی ہو۔ کیسا اچھا ہے تمہارا دل۔ غریبوں کو نہیں بھولیں۔ مجھے تو تمہاری اس بات پر رشک آتا ہے۔ تمہاری باتوں سے معلوم ہوا کہ تم وعظ بھی سننے جاتی ہو تو ایسا کیوں نہ کریں گھر میں ہم تم بیٹھیں، اور دین کی کوئی کتاب پڑھیں اور سمجھیں۔

"اے جگ جگ جیو پیاری! میرا تو بڑا ارمان ہے۔ بڑھاپے میں بھی تو چاہتی ہوں۔" بوا نے کہا۔ پھر بولیں" کہو تو امجد میاں کی بہو کو لیتی آؤں۔ سنا ہے وہ بہت پڑھی لکھی ہے۔"

" مگر یہ تو بتاؤ بوا۔ ساس بہو کو اجازت دے دے گی؟" میں

نے اندیشہ ظاہر کیا۔

اے بی! سنو میں بتاؤں۔ امجد میاں کے گھر والوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم کو اجتماع کرنے کا بڑا شوق ہے۔ امجد میاں کی بہو اپنی ساس سے کہہ رہی تھی کہ اگر محلّے میں اجتماع ہو تو میں بھی جایا کروں گی بڑے گھر کی بیٹی ہے۔ امجد میاں کی سیدانی نے کہہ دیا۔ ضرور جاؤ۔ اور یہ اچھا ہی کیا سیدانی نے۔ ورنہ وہ ان کی سنتی ہی کب ہے، سیدانی بڑی سیانی۔ اس نے پہلے ہی اجازت دے دی تو بی بی! اگر تم اجتماع کرو گی تو میں دس پانچ کو ضرور گھسیٹ لاؤں گی۔

بُوا کی باتوں سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ بوا جب سلیمہ بی کے گھر سے واپس آئیں تو بہت خوش تھیں۔ میں نے پوچھا اب عشاء کے وقت کیا تیر مار کے آئیں۔ بولیں۔ کل امجد میاں نے آپ کی دعوت کی ہے۔ ان کی بہو آپ سے ملنا چاہتی ہے۔

"بل بل جاؤں مولا تیرے نام کے سچ کہا ہے تو نے کہ جو تیری طرف ایک قدم بڑھتا ہے تو اس کی طرف دس قدم بڑھتا ہے میں جس کام کو مشکل سمجھ رہی تھی۔ وہ کتنا آسان معلوم ہو رہا ہے یہ سب تحفہ بھیجنے کی برکت ہے۔ اے میرے مولا! تیرا رسول، میرا پیارا رسول! برحق ہے۔ کیسی کیسی پیاری پیاری دل جوڑنے والی ہدایتیں ہمیں دی ہیں۔

"حق ہے بی بی، حق ہے بی بی" بوا نے جیسے آمین کے طور پر

کہا اور سلام کر کے اپنے گھر چلی گئیں۔ میں نے کہا " دیکھو بوا صبح باسی یہیں کھانا، اچھا!"

اچھا بی بی اچھا۔ سلام علیکم

وعلیکم السّلام

میرا تبلیغی طریقہ

(۲)

دوسرے دن نصیرن بُوا زیبن کو لے کر میرے گھر آئیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد بُوا نے بتایا کہ امجد میاں کے یہاں آج جو ہمیں کھانے پر بلایا گیا ہے تو یہ محض بہانہ ہے سچی بات یہ ہے کہ بہو بیگم رضیہ خانم نے اپنی سہیلیوں اور ساتھ کی پڑھی لڑکیوں کو بلوا دیا ہے کہ آج ارشدی بیگم بی اے کی تقریر ہوگی۔ تو آپ کو آج تقریر کرنی ہے۔

تقریر کی بات سن کر میں گھبرا گئی۔ میں نے کبھی تقریر نہیں کی تھی۔ سوچنے لگی۔ کیا کروں۔ اس موقع پر انکار کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ اور پھر تقریر بھی ایسی ہونی چاہیئے کہ انگریزی پڑھی لڑکیاں ملّائیت کی پھبتی نہ کسیں۔ میں نے اپنی یہ کمزوری بوا سے کہی تو بوا نے بڑے مزے کی بات ...... بتائی۔ "اوئی اللہ بی! آپ تو ایسا کیجیۓ۔ کوئی کتاب لیتی چلیۓ۔ اس میں سے دو چار سطریں پڑھنے کے بعد جیسا آپ کا طریقہ ہے۔ انہی سطروں میں جو بات کہی گئی ہو اسے کھول کر سمجھا دیجیۓ۔

بوا کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں سوچنے لگی کہ کون سی کتاب ساتھ لے کر چلوں۔ ایک کتاب الٹ پلٹ کر دیکھی۔ دوسری دیکھی

کچھ سمجھ میں نہ آیا تو قرآن شریف اٹھا لیا۔ اسے کھولا تو سامنے جو آیت تھی وہ وہ تھی جس کے نیچے یہ ترجمہ لکھا ہوا تھا۔

"ان سے پوچھو، وہ کون ہے جس نے یہ زمین اور آسمان اور ان میں جو کچھ ہے پیدا کیا۔ کہو وہ اللہ ہے پھر کیوں دوسری طرف لپکے جا رہے ہو۔"

یہ ترجمہ پڑھا تو خوشی سے میری باچھیں کھل گئیں۔ میں نے بوا سے کہا، تم تو گھر کی چیزیں ٹھیک ٹھاک کر کے رکھ دو۔ میں ایک مضمون لکھ لوں وہی یاد کر کے تقریر کے طور پر پیش کر دوں گی۔

بوا تو زیبن کی مدد سے سامان ٹھیک ٹھاک کر کے سلیقے سے رکھنے لگیں۔ میں نے مضمون لکھنا شروع کیا۔ مضمون لکھتے وقت شروع شروع میں خوب کاٹا۔ کئی ورق پھاڑ کر پھینکے۔ لیکن چوں کہ مضمون میرے ذہن میں آ چکا تھا۔ میں اسے سائنٹفک طور پر ترتیب دینا چاہتی تھی۔ دس پندرہ منٹ کے بعد اللہ کی مہربانی ایسی ہوئی کہ پھر جو قلم چلا تو آدھ گھنٹہ میں میں نے مضمون مکمل کر لیا۔ اس پر نظر ثانی کی۔ اس کے بعد الگ کاغذ پر صاف صاف لکھ لیا۔ کئی بار پڑھا بھی۔ اس طرح پورا مضمون میرے ذہن میں ترتیب کے ساتھ محفوظ ہو گیا گیارہ بجے امجد میاں کے یہاں سے سواری آ گئی۔ میں نصیرن بوا اور زیبن تینوں امجد میاں کے دولت کدہ پر پہنچے وہاں ہمارا انتظار ہو رہا تھا۔ سچ مچ بہو بیگم رضیہ خانم کی دس بارہ پڑھی لکھی سہیلیاں موجود تھیں

سب سے تعارف ہوا۔ میں امجد میاں کی بیگم صاحبہ سے گلے ملی۔ وہ مجھے لئے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ بہو بیگم سے کہا۔ دستر خوان بچھاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔

بیگم صاحبہ نے اپنے کمرے میں چپکے چپکے بڑے پتے کی باتیں بتائیں۔ کہنے لگیں کہ بہو بیگم کی سہیلیوں میں تین چار غیر مسلم بھی ہیں اس کا خیال رکھئے گا۔ کوئی بات ایسی نہ ہو کہ انھیں برا لگے دوسری بات بیگم صاحبہ نے یہ بتائی کہ تقریر کے بعد کچھ سوالات بھی ہوں گے۔ اب خدا جانے کیا سوالات ہوں۔ میں تو کہتی ہوں، ارشی بہن! اللہ تمہاری لاج رکھ لے۔

بیگم صاحبہ سے یہ سنا تو میں سوچ میں پڑ گئی۔ دل ہی میں اللہ سے دعا کی۔ پھر کھانے کے لیے بلایا گیا۔ ہم سب کھانے پینے گئے۔ لڑکیاں کھانے کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ میری زبان سے بار بار الحمدللہ نکل رہا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کھانے سے فارغ ہوئے۔ پھر آدھ گھنٹہ ذرا کمر سیدھی کی۔ پھر نمازِ ظہر کے بعد رضیہ خانم نے آکر خود کہا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی تقریر سے فائدہ اٹھائیں۔ ہماری سہیلیاں بھی مشتاق ہیں۔

بیگم صاحبہ کے ساتھ اللہ کا نام لے کر میں اٹھی بہو بیگم کے کمرے میں پہنچی۔ کمرے میں فرش بچھا تھا اور پندرہ سولہ لڑکیاں بڑے قاعدے سے بیٹھی تھیں۔ پھر میں نے دل ہی دل میں اللہ کو یاد کیا جی مضبوط کر کے اس طرح وہ رٹی رٹائی تقریر شروع کر دی۔

و نعت کے بعد میں نے کہا۔

میری پہلی تقریر

محترم بیگم صاحبہ اور پیاری بچیو! اس وقت آپ سے باتیں کرتے ہوئے میں بہت خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ آپ سب پڑھی لکھی ہیں۔ آپ نے اسکولوں میں جو کچھ پڑھا ہے اس وقت میں اسی پڑھائی کی کچھ باتیں یاد دلاؤں گی۔ آپ نے بہت سے مضمونوں کے ساتھ جغرافیہ کا مضمون بھی پڑھا ہے۔ اس مضمون میں آپ نے یہ پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر یا زمین کے اندر جو کچھ پیدا کیا ہے اس کو علم والے لوگوں عالموں اور وِدّوانوں نے چار قسم میں بانٹا ہے اول معدنیات یعنی کھان پدارتھ، دوسرے نباتات یعنی بناسپتی، تیسری قسم جانداروں کی ہے۔ جانداروں میں حیوانات یعنی جانور اور انسان ہیں۔ ان چار قسموں میں سے معدنیات زمین کے اندر پائی جاتی ہیں، یہ اپنی جگہ پڑی ہوتی ہیں نہ اپنی جگہ سے ہل سکتی ہیں اور نہ چل سکتی ہیں۔ انسان ان کو نکالتا ہے۔ کہیں سے سونا ملتا ہے۔ کہیں سے چاندی، کہیں سے لوہا۔ اور اسی طرح تانبا اور دوسری دھاتیں۔ اور پھر انسان ان سے بہت سی چیزیں بناتا ہے۔ ان دھاتوں کے بعد دوسری قسم نباتات یعنی بناسپتی کی ہے ان کے بیج زمین کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ یہ زمین

سے پھوٹتے ہیں۔ اگتے ہیں۔ بڑھتے ہیں۔ پھول پھل لاتے ہیں۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ نباتات کی جڑیں اور ان کے ریشے دھاتوں کی قوت چوس کر پودوں کو طاقت دیتی ہیں۔ اسی لئے اناجوں اور پھلوں اور میووں میں ان دھاتوں کی قوت موجود ہوتی ہے۔ سائنس دانوں نے بتایا ہے کہ کس اناج اور پھل میں کتنا لوہا اور کون کون سی کتنی دھات ہوتی ہے۔

اب آئیے تیسری قسم کو دیکھئے، تیسری قسم ہے جانداروں کی۔ ان جانداروں میں جانوروں کو آپ دیکھتے ہیں کہ یہ چل پھر سکتے ہیں یہ نباتات کھاتے ہیں۔ جانداروں کی دوسری قسم انسان بھی چل پھر سکتا ہے لیکن ہم آپ دیکھتے ہیں کہ انسان ایک طرف جانوروں کو بھی اپنے کام میں لاتا ہے۔ کسی پر سوار ہوتا ہے۔ کسی پر بوجھ لادتا ہے ان سے اور بھی بہت سے فائدے اٹھاتا ہے۔ یہی انسان نباتات میں سے اناجوں اور پھلوں اور میووں کو کھانے کے کام میں لاتا ہے۔ درختوں کی لکڑیوں کو عمارتوں کی زینت اور رونق بناتا ہے فرنیچر تیار کرتا ہے اور بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے۔ یہی انسان معدنیات کو بھی زمین سے نکالتا ہے اور ان سے جو کام لے رہا ہے وہ ہم سے آپ سے چھپا نہیں ہے۔

پیاری بچیو! یہی تو آپ نے پڑھا ہے نا! میں نے بھی یہی پڑھا تھا۔ لیکن جب میں بڑی ہوئی تو میری سمجھ میں آیا کہ زمین کے اندر کی دھاتیں ہوں یا زمین سے اُگنے والے پیڑ پودے اور پھول پھل ہوں یا جانور ہوں۔ پیدا کرنے والے نے یہ سب کچھ انسان ہی کے لئے پیدا

کیا ہے ۔ میں تو کہتی ہوں یہی نہیں ۔ ہوا کو بھی خدا نے انسان کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے ۔ سورج چاند تارے اور جو کچھ بھی ہے وہ سب انسان ہی کے فائدے کے لئے ہے ہم آپ دیکھ بھی رہے ہیں انسان نے ان سب پر کیسا قبضہ کر رکھا ہے صاف معلوم ہوتا ہے ۔ یہ ساری چیزیں انسان کی غلام ہیں انسان سے کمتر ہیں اور انسان ان سب پر بڑائی رکھتا ہے ۔ خدا کی پیدا کی ہوئی ساری چیزوں میں سے یہی سب پر بڑائی رکھنے والا انسان اگر اپنے سے کمتر چیزوں کو اپنے سے بڑھ کر مانے ۔ ان سے ڈرے ۔ اور یہاں تک گر جائے کہ انہی کمتر چیزوں میں سے بہت سی چیزوں کی پوجا کرنے لگے تو آپ یہی کہیں گی کہ انسان نے اپنے مقام سے گھٹ کر بات کی ۔ انسان اپنی بڑائی قائم نہ رکھ سکا ۔

پیاری بچیو ! میری بات پوری نہ ہوگی اگر میں آپ سے یہ سوال نہ کروں کہ دنیا کے سارے دھرموں اور مذہبوں میں سے وہ کون سا مذہب ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ تو اشرف المخلوق ہے ۔ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے تو ان سب سے بڑھ کر ہے ۔ وہ سب کچھ تیرے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ ہاں تو اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے جس نے یہ زمین وہ آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سب اللہ اور بھگوان کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ۔ اللہ کے لئے پیدا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے اس احسان کا شکریہ ادا کریں کہ

اس نے ہمیں ایسی ایسی نعمتیں دی ہیں۔ اسی اللہ کو اپنا مالک اور سوامی بنائیں اس کے سوا کسی اور کو اپنا مالک اور سوامی نہ بنائیں اور نہ اس کے سوا کسی اور کے آگے جھکیں۔

پیاری بچیو! میں نے جہاں تک کتابیں پڑھی ہیں میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اسلام ہمیں صرف یہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مالک اور سوامی معبود اور پوجیہ ماننا انسان کو انسانیت کے درجے سے گراتا ہے۔ اسلام اللہ کے سوا کسی اور کو مالک اور سوامی اور معبود اور پوجیہ ماننے کو شرک بتاتا ہے اور شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ شرک بہت بڑی احسان فراموشی ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اللہ ہی کو مالک اور سوامی اور معبود اور پوجیہ ماننا توحید ہے۔ پس بچیو! میں نے اپنی تقریر پوری کر دی۔ میں نے کبھی تقریر نہیں کی۔ آج آپ سب کو اپنی بچیاں سمجھ کر جی چاہا کہ جو بات میں نے حق سمجھی ہے وہ آپ تک پہنچا دوں، آپ اس کو سوچیں۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ اللہ آپ کو حق کی بات کی توفیق عطا فرمائے۔ میری تقریر میں جو بات آپ کی سمجھ میں نہ آئی ہو اس کے بارے میں سوال کر سکتی ہیں۔ میں تقریر کر کے بیٹھ گئی مجھے خود لگا کہ میری تقریر ایسی جچی تلی تھی کہ اس پر کوئی سوال ہی نہیں اٹھ سکتا تھا۔ چنانچہ لڑکیاں بہت خوش ہوئیں اور رضیہ خانم سے کہنے لگیں کہ کیوں نہ عورتوں کا ایک بڑا جلسہ کیا جائے اور چاچی جی یہی تقریر جلسے میں کریں۔ چاچی

جی کی تقریر سے ہمارے ذہن کھلے۔

لڑکیاں کچھ دیر اور بیٹھیں۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد بیگم صاحبہ نے مجھے گلے سے لگالیا اور کہا ارشی بہن! تم نے کیسے آسان طریقے سے اور سہل بولی میں اتنی بڑی بات سمجھادی۔ رضیہ خانم نے بھی خوشی ظاہر کی اور اب طے پایا کہ ہفتہ میں ایک بار ہم سب مل جل کر بیٹھیں اور اسلامی جانکاری بڑھائیں۔

کہانی کار

"کیا دیدوں بھائی! ......" میں نے خوش ہو کر اس سے کہا۔
"صاحب! اتنے سے کام کے لئے کیا لوں اور پھر آپ سے!"
اس نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ وہ اس وقت خوشی کے مارے کھلا جا رہا تھا۔
"مگر بھائی، دیکھو تو! تم رکشا پولر۔ اگر اس وقت تم نہ ہوتے تو میرے سارے کپڑے خراب ہو جاتے۔ گلی میں کتنا گندہ پانی بہہ رہا ہے۔ تم نے مجھے اس سے بچایا۔ کیا اس خدمت کی کچھ بھی قیمت نہیں؟"
"ہے، مگر آپ سے نہیں۔"
"مجھ میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں۔"
"کیوں نہیں، آپ نے ہمارے لئے، ہمارے بچّوں کے لئے ہماری عورتوں کے لئے اپنے کو وقف کیا ہے کیسی کیسی اصلاحی کہانیاں اور نظمیں آپ نے لکھیں۔ ہم اور ہمارے بچے جھوم جھوم کر آپ کے لکھے ہوئے گیت گاتے ہیں۔ ہماری عورتیں بھی تو گنگناتی ہیں۔ بھائی صاحب آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے جو اصلاحی کام کیا ہے اس

سے کتنے گھر سدھر گئے ۔ اسے دیکھئے ۔ اس بچّے کو بھی آپ کی نظمیں یاد ہیں۔
" اچھا تو میں تم کو نہیں اس بچّے کو دیتا ہوں " اور یہ کہہ کر میں نے چاہا کہ رکشا کے پائیدان پر بیٹھے ہوئے چار سالہ بچے کو ایک روپیہ دوں کہ اس نے پھر بڑی لجاجت سے اور ارادت سے کہا۔ " نہیں بھائی صاحب ، نہیں "

اگر میں کھڑا رہتا تو وہ ابھی اور میری تعریف کرتا لیکن اس وقت میں نے دیکھا مولانا حامد علی صاحب اسی طرف آ رہے تھے۔ یقیناً وہ اس حدیث پر عمل کرتے جس میں ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی کسی کے روبرو اس کی تعریف کر رہا ہے تو اس کے منہ میں ریت بھر دو "

اچھا تو تم مجھے جانتے ہو۔ کبھی میرے گھر آؤ ——— یہ کہتا ہوا میں وہاں سے چل دیا۔ میں اس سے بے حد متاثر تھا اس نے مجھے کہانی کا پلاٹ دیا تھا۔ یہ پلاٹ میرے دماغ میں بہت دنوں کلبلاتا رہا۔ آخر میں نے دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

" میرے شہر میں ایک غریب آدمی رہتا تھا اس کا نام تھا خوشی محمّد۔ وہ نام کا خوشی محمّد تھا ویسے خوشی کا منہ اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑا نیک آدمی تھا ۔ نماز پڑھتا۔ روزے رکھتا۔ اپنے بس بھر دوسروں کی مدد کرتا اور ایسے کاموں کو وہ بڑے ثواب کے کام کہتا تھا۔ ایسے کام کر کے وہ دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا، مگر پھر وہ اچانک الٹ گیا۔

"بھائی صاحب! بھائی صاحب!"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ خوشی محمد بڑی تیزی سے رکشا لئے ہوئے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ "سنئے تو، سنئے تو!"

"ارے بھائی میں بہت جلدی میں ہوں۔"

"اچھا تو آئیے بیٹھ جائیے۔

میں اس کی رکشا پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی اس کی رکشا چالو ہو گئی۔ ساتھ ہی اس کی زبان بھی۔

"خدا، خدا، خدا، کس قدر دھوکا ہے ہرگز نہیں خداوُدا کچھ نہیں!"

خوشی محمّد کی زبان سے یہ سنا تو میں چونکا۔ میں نے پوچھا۔

" خوشی محمّد کیا تم وہی خوشی محمد نہیں ہو جو کئی برس پہلے ملے تھے۔

" ہوں تو وہی مگر اب میں نے اپنا نام بدل دیا ہے۔"

" اب تمہارا کیا نام ہے؟"

" اب میں اپنے کو غمی محمّد کہتا ہوں۔"

"غمی محمد!"

"جی!!"

"یہ کیوں؟"

"کیوں کہ جب سے میں پیدا ہوا "غمی محمد" نام نے میرا ساتھ دیا۔ خوشی محمد تو غلط نام تھا سنیے تو بھائی صاحب! میں بچہ ہی تھا کہ میرے

باپ کا انتقال ہوگیا۔ پھر میں ابھی دس بارہ برس ہی کا تھا۔ درجہ چار میں پڑھتا تھا کہ ماں بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ صاحب! اسی عمر سے رکشا چلا رہا ہوں۔ جوان ہوا، مجھے شادی کی خواہش ہوئی، مجھے لڑکی کون دیتا۔ پاس پیسہ نہیں۔ خاندان بھی بس یونہی ہے۔ پھر شکل وصورت جیسی ہے آپ کے سامنے ہے۔ میں تیس برس کا ہوگیا تو ایک بیوہ سے شادی کی۔ اس سے دو بچے ہوئے۔ دوسرے بچے کے پیدا ہونے پر بیوی کی زچگی بگڑ گئی۔ میرے پاس جو کچھ تھا۔ وہ سب خرچ کر دیا۔ پھر رو رو کر خدا سے دعا مانگی۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ خدا و دا ہو تو سنے۔ بیوی مرگئی، بچّہ مرگیا۔ اب وہ بچہ زندہ تھا جسے آپ نے دیکھا تھا۔ اُسے ہر وقت میں رکشا پر ڈالے رکھتا۔ سوچئے تو اور کہاں چھوڑتا۔ ایک دن اس غریب کو ہوا لگ گئی نمونیہ کا شکار ہوگیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے چل بسا۔ میں نے رات بھر نماز پڑھی، گڑگڑایا۔ توبہ تلّا کی مگر واہ رے خدا! خوب بدلہ دیا میری نیکیوں کا۔ رہا سہا وہ لڑکا بھی گیا۔

بھائی صاحب! میرے محلّے میں غفورا بھی رہتا ہے پکّا بدمعاش جواری، چور، پورا دادا۔ اس کی سب عزّت کرتے ہیں خدا بھی اس سے خوش ہے۔ کیا مجال کہ اس کا کوئی کام نہ ہوسکے۔ مگر میں میں۔ ایک محروم۔ محروم۔ محروم۔"

"تو پھر تم نے نماز بھی چھوڑ دی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

" اور نیکی کے کام بھی ! "

خوشی محمد جھنجھلا گیا۔ صاحب ! نیکی کیا، نیکی کیا۔ وہ دیکھئے ماڈل ٹاؤن آگیا۔"

" اچھا شکریہ۔ لو یہ پانچ کا نوٹ رکھ لو۔"

" آپ سے نہیں۔"

" کیوں ؟ "

" آپ میرے لئے خدا سے اچھے ہیں۔"

" لاحول ولا قوۃ۔"

" مجھے ماڈل ٹاؤن میں سیرتِ محمدی پر ایک مقالہ پڑھنا تھا، میں ادھر بڑھ گیا۔ جس وقت میں مقالہ پڑھ رہا تھا اس وقت میں نے دیکھا خوشی محمد سامنے کھڑا سن رہا تھا۔ پھر جب میں نے اپنے مقالے کا یہ پیراگراف پڑھا کہ :

کوئی چاہے خدا کا منکر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن محمد رسول اللہ کو نہیں بھلا سکتا۔ محمد رسول اللہ نے جو کچھ کہا۔ اس کے اثرات دنیا پر پڑے، پڑتے رہے۔ پڑتے رہیں گے۔ کون ہے جو اس سے انکار کرے .....

" کوئی نہیں انکار کر سکتا " ___ سامنے کھڑے ہوئے خوشی محمد نے چیخ کر کہا " مجھے دیکھو، میں خدا کا منکر ہوں۔ لیکن اب بھی میرے دل میں محمد رسول اللہ کی عزت ہے۔"

میں اس کی طرف دیکھنے لگا اور ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرنے

لگا وہ چپ ہو گیا۔ میں نے مقالہ ختم کیا اور پھر جب چلنے لگا تو خوشی محمد نے آپکڑا۔ جب میں اس کی رکشا پر بیٹھا تو میں نے اس سے کہا۔

"خوشی محمد! تم حدیث کی کوئی کتاب پڑھا کرو۔"

"تو دیجئے نا۔"

اس وقت میرے پاس چالیس حدیثوں کا مجموعہ، جسے میں نے خود ترتیب دے کر چھپوایا تھا۔ موجود تھا۔ ایک نسخہ اسے دے دیا۔ اس نے چوما اور رکھ لیا۔

اور پھر وہ ان حدیثوں کے مطالعہ میں غرق ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ حدیث پڑھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حدیثوں کی برکت سے اُسے پھر خدا نظر آنے لگا اور پھر ایک رات جب وہ حدیث پڑھنے میں محو تھا تو کسی نے پکارا "میں کل تمہارے یہاں آؤں گا۔" وہ چونک پڑا۔ دروازے پر گیا۔ اس نے دور تک نظر ڈالی۔ کوئی نظر نہ آیا۔ رات کے گیارہ بجے تھے وہ سونے کے لئے لیٹ گیا۔ ذرا آنکھ لگی تھی کہ پھر آواز آئی۔ خوشی محمد! میں کل آؤں گا میرا انتظار کرنا۔ خوشی محمد چونک پڑا۔ کھڑکی سے جھانکا کوئی دکھائی نہ دیا۔

وہ رات بھر یہی آواز سُن سُن کر چونک چونک پڑتا رہا۔ صبح سویرے اٹھ کر اس نے اپنا پرانا کمبل اوڑھا اور چائے پینے ہوٹل کی طرف چل دیا۔ راستے میں اس نے ایک درد بھری آواز سنی۔ "بابا پیارے رسول کا صدقہ" خوشی محمد نے دیکھا۔ ایک بڈھا ایک دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔ سردی

سے ٹھٹھر رہا تھا۔ خوشی محمد نے اپنا کمبل اس پر ڈال دیا۔ دوڑا دوڑا ہوٹل گیا اور دو پیالیوں میں چائے لے آیا۔ سوچا تھا کہ ایک پیالی خود پئے گا اور دوسری بڈھے کو پلائے گا۔ مگر اس نے دونوں پیالیاں بڈھے کو پلا دیں اور خود بے پئے گھر چلا آیا۔ اب اس کی جیب میں پیسے نہ تھے۔

میرا قلم بڑی روانی کے ساتھ کاغذ پر چل رہا تھا۔ افسانہ بڑی کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا تھا۔ خوشی محمد گھر واپس جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک عورت کو دیکھا۔ ایک بچّہ اس کی گود میں تھا۔ بچہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔

"اِسے چپاتی کیوں نہیں۔" خوشی محمد نے عورت سے کہا۔ "اسے دودھ پلا۔"

"بھیّا کل سے بھوکی ہوں۔ دودھ سو.....۔" عورت آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ خوشی محمّد نے اس سے کہا۔ "اچھا میرے ساتھ آ۔" وہ اُسے اپنے ساتھ گھر لے گیا دہکتی ہوئی انگیٹھی کے پاس بٹھایا اور بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

اب میری کہانی عروج پر آ گئی تھی۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے بیوی سے کہا۔ "کہدو، دس بجے آؤ۔" بیوی نے جا کر کہا پھر جواب لائی۔ "وہ کوئی سخت ضرورت مند ہے اپنا نام خوشی محمد بتاتا ہے۔"

"اچھا کہہ دو کہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔"

دراصل بات یہ ہے کہ جب میں افسانہ یا کہانی وغیرہ لکھتا ہوں تو کہانی کے تار و پود کا ایک طوفان میرے آس پاس ہوتا ہے اگر اس وقت قلم رکھ دوں اور طوفان چلا جائے تو پھر میں کبھی کہانی پوری نہیں کر سکتا۔

اچھا تو، ہاں! خوشی محمد گھر واپس گیا۔ عورت اور بچے کو کچھ سکون ہو چکا تھا۔ وہ بھوکی کم تھی، سردی کی ماری زیادہ تھی۔ انگیٹھی کی گرمی سے خون کی گردش میں تیزی آئی تو دودھ بھی دو چار قطرے بچے کو مل گیا اور وہ اس کی گود میں سو گیا۔ خوشی محمد سیدھا کوٹھڑی میں گیا ایک صندوقچی نکال لایا۔ اس صندوقچی میں وہ ہر روز دس پیسے ڈال دیا کرتا تھا اس لئے کہ مرتے وقت تک کچھ رقم ہو جائے گی۔ اور کفن کے کام آئے گی۔ "لو بہن! یہی میرے پاس ہے۔ خدا تمہاری مدد کرے۔" خوشی محمد کی زبان سے عادتاً "خدا" کا نام نکل گیا مگر اس وقت اس نے خدا کو گالی نہیں دی۔ عورت چلنے لگی تو ایک پرانی کملی اس پر ڈال دی۔ سورج نکل کر کافی اونچا ہو چکا تھا۔ اب خوشی محمد کو خیال آیا کہ ابھی تک حدیث کا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ حدیث کے مطالعہ میں غرق ہو گیا۔ اس نے ایک حدیث کا تشریحی نوٹ دل لگا کر پڑھا۔

نبیؐ برحق فرماتے ہیں کہ اللہ ان لوگوں سے مخاطب ہے جو دوسروں درد میں شریک ہوتے ہیں۔ "میں بھوکا تھا اے میرے بندے!

تو نے مجھے کھلایا۔ میں پیاسا تھا اے میرے بندے! تو نے مجھے پلایا۔ میں مجبور اور لاچار تھا۔ اے میرے بندے! تو نے بروقت میری مدد کی۔ اگر تو میری مدد نہ کرتا تو اے میرے بندے! میں مر جاتا۔"

"نہیں نہیں او میرے خدا!" خوشی محمد چیخ اٹھا۔ "تو زندۂ جاوید ہے۔ نہیں نہیں او میرے خدا! تو خود سب کا پروردگار ہے۔ نہیں نہیں او میرے خدا! تو قادرِ مطلق ہے۔ او میرے خدا! تجھے نہ تو بھوک ستاتی ہے نہ پیاس اور نہ تو لاچار ہے تو پاک اور بے عیب ہے۔ خوشی محمد سمجھ گیا کہ آج خدا اسے دو بار ملا۔ پھر وہ سوچنے لگا۔ شائد رات خدا ہی آواز دے گیا تھا کہ کل میں تیرے گھر آؤں گا۔ وہ بہت خوش ہوا اور پھر وہ پہلا والا خوشی محمد ہو گیا۔

میں نے کہانی ختم کر دی۔ میرے دل اور دماغ کا بوجھ جو پلاٹ سے بوجھل ہو رہا تھا اتر گیا۔ اب مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ خوشی محمد میرے گھر آیا تھا۔ میں نے خود اسے بلاوا دیا تھا۔ "اچھا تم مجھے جانتے ہو میرے گھر آنا۔" اور جب خوشی محمد میرے گھر آیا تو میں نے کہلوا دیا کہ کہدو گھر پر نہیں ہیں۔" یہ میں نے اس لئے کہلوا دیا تھا کہ وہ اصلی خوشی محمد تھا اور میری کہانی کا خوشی محمدؐ؟ میں نقلی خوشی محمدؐ کو لئے بیٹھا تھا میں بہت خوش ہوا کہ میری لکھی ہوئی یہ کہانی پڑھ کر لوگوں میں ہمدردی اور مواسات کے سوتے بہہ نکلیں گے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک میرے کان میں آواز آئی۔ لِمَ تقولُونَ مَالَا تفعَلونَ۔ ایسی بات کیوں کہتے

ہو جو کرتے نہیں بڑے گناہ کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ اسی وقت
بیوی چاء لائی میں نے چاء کی پیالی اٹھائی۔ لیکن پیالی میرے ہاتھ سے
چھوٹ کر گر پڑی۔ "ارے!" کہہ کر بیوی نے مجھے دیکھا۔ میں نے گردن
جھکالی بیوی سمجھی کہ یہ پیالی ٹوٹ جانے کی شرم ہے۔ "آہ! اے
بے کردار کہانی کار! میرے اندر سے کسی نے مجھ پر لعنت بھیجی۔